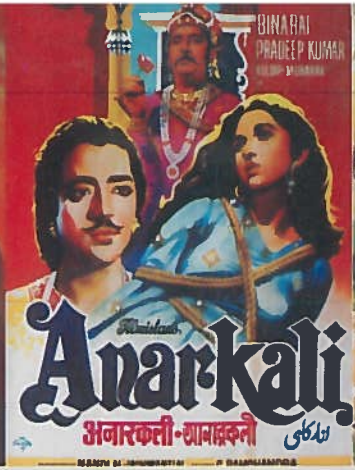

1940s LOVE STORIES

1940ء

لوسٹوریز

ڈاکٹر عبدالکریم شکور

heritage lottery fund
LOTTERY FUNDED

MULTICULTURAL RESOURCE CENTRE

غزل

رُک جاتی ہیں آس کی سانسیں شام کے بعد
ایسے موسم آجاتے ہیں شام کے بعد

تنہائی کی دیوی گھر میں ناچتی ہے
یُوں چلتی ہے قسمت چالیں شام کے بعد

موت سے ملنے آجاتے ہیں پروانے
جب جب شمعیں لوگ جلائیں شام کے بعد

دن بھر آتیں ہیں آوازیں صحرا سے
یادوں کی زنجیر ہلائیں شام کے بعد

ساون کی رُت ظلم کرے تو اشک میرے
کلیوں کے رخسار سجائیں شام کے بعد

دیواروں سے باتیں کرکے دیوانے
کب تک غم سے آنکھ چرائیں شام کے بعد

زاہد میرے ہجر کے مارے پیاسے نین
درد کی دھونی روز رمائیں شام کے بعد

زاہد ظفر

اے عشق تو نے کیا کیا؟

یہ سوال ہمیشہ ذہن کے اداس پردے پر اس وقت ضرور ابھرتا ہے جب ہم کوئی ایسی داستانِ محبت پڑھتے یا سنتے ہیں جس کا انجام ہمیں دل گرفتہ کر دے۔

ازل سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ محبت کرنے والے زمانے کی سختیوں، پابندیوں اور جدا کر دینے کی کوششوں کا شکار رہے ہیں۔ انہیں ملنے نہ دیا جائے، ایسا ہر دور میں چاہا جاتا رہا مگر ہوا یہ کہ دل والے مل کر رہے، چاہے انہوں نے اپنے ملن کو موت کی سیج پر ہی کیوں نہ تکمیل سے ہمکنار کیا۔

ہمارے سامنے جتنی بھی عشقیہ داستانیں اپنے پرت کھولتی ہیں، دیکھا یہی گیا ہے کہ ان میں سے اکثر کا انجام ٹریجڈی ہی ہوا۔

پنجاب کی ہیر کو کیدو نے زہر دیا تو رانجھا، ہیر کا صدمہ نہ سہہ سکا اور اس کے ساتھ ہی جان دے کر اپنی کہانی کو ایک ایسے ملاپ کا نام دے گیا جسے دنیا آج بھی یاد کرتی اور چوپالوں میں گا گا کر اسے خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔

عرب کے قیس نے لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ ہو کر نجد کے صحراؤں کو اپنے جنوں کا گواہ بنایا تو لیلیٰ کو اس کی جدائی میں یمن کا محل ایک دہکتا الاؤ محسوس ہوتا رہا۔ کتنے دن..... ہاں کتنے دن وہ ایسے عذاب کو سہہ پاتے جو لحہ لحہ انہیں چاٹ رہا تھا۔ آخر ایک دن قیس نے صحرائے نجد میں لیلیٰ لیلیٰ پکارتے ہوئے دم توڑا تو دوسری طرف لیلیٰ کے سانسوں کی ڈوری ٹوٹ گئی۔

ایران کی ملکہ شیریں کو سنگتراش اور کوہکن فریاد نے دیکھا تو اس کے حسن کا اسیر ہو گیا۔ شہنشاہ خسرو پرویز نے اس کی دیوانگی کو اپنی عزت کیلئے خطرہ جانا تو اسے ایک ایسی فرمائش کے حوالے کر دیا جسے پورا کرنا بظاہر ناممکن لگتا تھا مگر ایک دیوانے کی ہمت اور عشق نے کوہِ سبز سے نہر نکال کر ساری دنیا کو بتا دیا کہ عشق ایک ایسا چراغ ہے جس کے آگے کسی کا دیا نہیں جلتا۔

شہنشاہِ ہند اکبر کے لاڈلے بیٹے سلیم نے جسے تاریخ جہانگیر کے نام سے جانتی ہے، انارکلی جیسی کنیز کی محبت کا دم بھرا تو ایوانِ اقتدار میں زلزلہ آ گیا مگر سلیم پیچھے ہٹا نہ انارکلی نے اپنی محبت پر داغ لگنے دیا۔ انارکلی کی محبت کو افسانہ کہا گیا مگر شواہد بتاتے ہیں کہ اس افسانے کی تہہ میں جان دے دینے والوں نے ایسی حقیقت کو مستور کر رکھا ہے جسے جھٹلانا ممکن نہیں۔

ٹھٹھہ کی نوری ایک کوڑھ زدہ لڑکی تھی، جسے ازراہِ ہمدردی اس وقت کا، سمہ حکمران جام تماچی علاج کی غرض سے ساتھ لایا اور جب وہ ایک اللہ والے کی دعا سے صحت یاب ہوئی تو نور کا ایسا چمکتا ہالہ بن کر سامنے آئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ پھر اس نوری نے جام تماچی کی ملکہ بن کر ایسی زندگی گزاری جو کسی کسی کا نصیب ہوا کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی داستانِ محبت ہے جس کا انجام مسرت فزا ہے۔

سندھ کی ماروی کو عمر سومرو اغوا کرتا ہے تو اس لئے کہ اسے اپنے شبستاں کی زینت بنائے گا مگر کچھ ہی دنوں بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو اس مہ رخ کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ایک بادشاہ جو کچھ بھی کر سکتا تھا، محبت کا اسیر ہوا تو ایسا کمزور ثابت ہوا کہ ماروی اسے فریب دے کر اپنے محبوب کے ساتھ چل دی لیکن عشق نے جو اعزاز عمر سومرو کو بخشا وہ ماروی کے محبوب کے حصے میں کب آیا؟ آج بھی ماروی کے ساتھ، اس سے سچا عشق کرنے والے عمر سومرو کا نام آتا ہے، ماروی کے محبوب کا نام کون جانتا ہے؟

چناب کے کنارے عزت بیگ افغانستان سے ایک تاجر کے روپ میں اترا تو

سوہنی پر مر مٹا۔ وہ ایک رئیس سے اس کی بھینسوں کا چاک ہو کر رہ گیا۔ وقت نے انہیں جدا تو کیا مگر چناب کی لہروں پر ان کی محبت نے ایسی داستان لکھ دی جسے وقت کا کوئی طوفان مٹا سکا نہ لوگوں کے اذہان سے بھلا سکا۔

سسی، ایک پنڈت کی بیٹی تھی مگر ایک مسلمان دھوبی کے گھر میں پلی بڑھی اور جب جوانی نے اسے پنوں کے عشق میں مبتلا کیا تو اس نے اپنی ہر سانس پر پنوں کا نام لکھ ڈالا۔ تھل کے تپتے صحرا میں جب وہ اپنے پنوں کی کھوج میں اتری تو پھر اسے واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ تپتی ریت کے طوفان میں دفن ہو گئی۔

صاحباں، تاریخ عشق کا ایک ایسا متنازعہ کردار ہے جس کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ اس نے اپنے محبوب، مرزے کے تیر توڑ کر اسے اپنے پچھلوں کے ہاتھوں بے بسی کی موت مروا دیا لیکن ہم یہ کیسے بھول جائیں کہ وہ خود بھی مرزے کے ساتھ ہی تلواروں اور برچھیوں کا شکار ہو گئی۔ اس نے اگر بے وفائی کے ایک لمحے کا ساتھ دیا تو وفا کی سولی چڑھ کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ ایک جذباتی لمحے کی سزا اس نے اپنے لئے خود تجویز کر لی تھی۔

سرزمین کوئی بھی ہو، عشق والے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے جذبے، ان کے احساسات، ان کا اظہار، سب کچھ ایک جیسا ہوتا ہے۔ اگر پنجاب کی سوہنی اپنے مہینوال کیلئے چناب کی لہروں کی چادر اوڑھ سکتی ہے تو انگلستان کی جولیٹ بھی اپنے رومیو کیلئے اس کے ہونٹوں سے چوس کر وہ زہر اپنی رگوں میں اتار لیتی ہے جس نے اس کے حبیب کی جان لی تھی۔

''ہیر رانجھا سے رومیو جولیٹ تک'' ایک ایسا بیان ہے جو آپ کو پل پل یہ بتاتا ہے کہ عشق کی کوئی بھی منزل اتنی آسان نہیں ہوتی کہ اسے ہنستے کھیلتے سر کر لیا جائے۔ کوئی بھی لمحہ ایسا خوش کن نہیں ہوتا کہ جسے اپنی محرومیوں کا بدل کہہ لیا جائے۔ کوئی بھی جائے پناہ ایسی نہیں ہوتی جہاں اہلِ دل، دنیا والوں سے چھپ کر دو گھڑی چین کی سانس لے

سکیں۔ انہی پابندیوں، انہی سختیوں اور انہی دراڑوں کا افسانوی روپ ہے یہ تحریر، جن سے گزر کر اہلِ محبت اپنے لئے گوشہ عافیت تلاش کرنے کی سعی کرتے اور اکثر اس میں ناکام رہ جاتے ہیں۔

داستان برصغیر کی ہو یا ایران کی، عرب کی ہو یا انگلستان کی، ہر ایک کا انجام ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ:

''اے عشق تو نے کیا کیا؟''

''ہیر رانجھا سے رومیو جولیٹ تک'' اسی ایک سوال کا ایسا دلچسپ جواب ہے جس کے تہ در تہ پرت صرف انہی پر کھلیں گے جن کے سینے میں کسی کے نام پر دھڑکنے والا دل ہے اور اس دل میں کسی کیلئے یہ آرزو مچلتی ہے کہ کاش، میں اس پر نثار ہو جاؤں۔ اسے اپنی رگ رگ میں سمو لوں۔ اس کے نام پر مر مٹوں۔

اگر آپ بھی ایسے ہی دل والوں میں شامل ہونے جا رہے ہیں تو ایک پتے کی بات ہم آپ کو پہلے سے بتا دیں تا کہ بعد میں آپ اپنے آپ کو یا کسی اور کو الزام نہ دے سکیں کہ:

یہ عشق نہیں آساں، بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اپنے اور آپ کیلئے دعا گو:

ڈاکٹر عبدالکریم شکور

مرزا صاحباں

صاحباں دریائے چناب کے بائیں کنارے آباد سیال جٹوں کے قبیلے کھیوا کے سردار خان کھیوا کی لاڈلی بیٹی تھی اور اس کا گاؤں جھنگ سے چند میل دور آباد تھا مرزا ذات کا کھرل تھا اس کا قبیلہ قدیم دریائے راوی کے دائیں کنارے پر آباد تھا اس کے گاؤں کا نام دانا آباد تھا اور باپ کا نام رائے وٹجھل تھا خان کھیوا اس کا ماموں اور صاحباں ماموں زاد تھی مرزا اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا وہ بچپن ہی سے ذہین، بہادر اور تیر کمان کا رسیا تھا اس کی ماں لانگی کھیوا خاں کی سگی بہن اور مزاج کی بڑی تیز تھی لڑکپن میں مرزا ماموں کے پاس لکھنے پڑھنے کیلئے چلا گیا مرزے کو بھی اسی مسجد کے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا جہاں صاحباں پڑھنے جاتی تھی دونوں بچپن کے بعد لڑکپن کی حدود میں داخل ہو رہے تھے عشق نے تاک کر تیر جو مارا تو مرزے کی ساری تیر اندازی دھری کی دھری رہ گئی اور وہ صاحباں کی زلفوں کا اسیر ہو گیا اور صاحباں بھی اس کی چڑھتی جوانی پر مر مٹی تھی اور بات مدرسے کی پڑھائی سے نکل کر چوری چھپے کی ملاقاتوں تک آ گئی تھی صاحباں کا لاجواب حسن کھیوا کے ہر جوان کی آنکھوں میں مہکتا تھا اس پر ہر وقت نگراں رہنے والی آنکھوں نے جب اس کے ساتھ مرزے کا سایہ دیکھا تو سہہ نہ سکیں حسد نے زبان کو حرکت دی اور مرزا صاحباں کے بارے میں کھیوا کی گلیوں میں ایسی ایسی باتوں نے پر پھیلائے خان کھیوا کے کانوں تک بھی تو وہ چونکا مگر اس نے بات کا بتنگڑ بنانے کے بجائے اپنی بیوی سے صلاح کی گھر آیا تو تھکا تھکا سا تھا موڑھے پر بیٹھتے ہوئے بولا سارے

گاؤں میں مرزا صاحباں کا نام لے لے کر لوگ چٹخارے دار باتیں کر رہے ہیں اللہ نہ کرے لالہ بیبو نے جلدی سے کہا ان باتوں میں صداقت ہے یا نہیں ہاں بیبو دکھ کی بات تو یہی ہے ان باتوں میں جھوٹ کم اور سچائی زیادہ ہے ہم شروع سے ہی ان کو اتنی کھل نہ دیتے بچپن کی بے تکلفی جوانی کی بھول بننے جا رہی ہے ہمیں انہیں روکنا ہوگا۔ مرزے کو اس کے گھر واپس بھجوانا ہوگا بیبو تو ٹھیک ہے۔ اسے تم آج ہی واپس بھجوا دینا۔ شام ہونے کو تھی جب مرزا اور صاحباں ہنستے کھیلتے گھر میں داخل ہوئے انہیں قطعاً احساس نہیں تھا کہ دونوں جوان ہو چکے ہیں کیا بات ہے ماسی۔ ناراض لگتی ہو۔ مرزے نے بیبو کی جانب دیکھا تو لاڈ سے بولا میری ایک بات مانے گا ماننے والی ہوئی تو مان لوں گا تم آج اور ابھی دانا آباد روانہ ہو جاؤ۔ بیبو نے جیسے حکم سنایا وہ کیوں؟ مرزا حیران ہو کر بولا۔ وجہ تم بھی جانتے ہو مرزا بیبو کے لہجے میں زہر گھل گیا میں تمہاری ماسی ہوں خان کھیوا تمہارا ماموں ہے تم نے اس کی عزت کا ذرا خیال نہ کیا اور صاحباں کے ساتھ بیبو خاموش ہو گئی۔ ماسی مرزا اپنا بھید کھلنے پر بھونچکا رہ گیا کسی قسم کی غلط بیانی کرنے کی ضرورت نہیں خان کھیوا کو سب معلوم ہو چکا ہے مرزا شرمندہ شرمندہ سا چند لمحے کمرے کے درمیان کھڑا رہا ترکش اور کمان اس کے کندھے پر تھا اصطبل سے اپنی گھوڑی بکی کو کھولا اور اس کا رخ دانا آباد کی طرف کر کے ایڑ لگا کر دانا آباد آ تو گیا تھا مگر اس کا دل دن رات صاحباں کے خیال میں رہتا اس نے چپ سادھ لی صاحباں بچی نہیں تھی۔ وہ سب جان چکی تھی مرزا اچانک دانا آباد کیوں چلا گیا دن گزرتے چلے گئے صاحباں کی سوتیلی ماں نے کھیوا خان سے کہا تمہاری پریشانی ختم ہو جائے گی بلکہ میں ختم کرنے میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں وہ کیسے خان کھیوا بولا۔ صاحباں کی شادی کر دو جلدی جلدی مگر کس کے ساتھ تم اجازت دو تو میں اس کیلئے کہیں بات چلاؤں یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا تمہاری اور میری عزت سانجھی ہے مرزا دانا آباد آ کر ایک پل کو چین سے نہ رہا مرزے کے ماں باپ کو فکر ہوئی۔ مرزا کے باپ نے ماں کو بتایا کہ فکر نہ کر اس کی شادی کا سوچ رائے ونجھل نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ

وہاں پڑھتا لکھتا کم تھا اور صاحباں سے عشق کا کھیل زیادہ کھیلتا رہا ہے؟؟ ہائے میں مرگئی اٹھ وڈیا عاشقا ماں نے اس کے چہرے سے چادر کھینچ لی مرزا ہڑ بڑا کر اٹھا اور ماں کے تیوروں کو سمجھ گیا ماں! مرزا سسک کر بولا میں صاحباں کے بغیر مر جاؤں گا۔ بکواس نہ کر بات ذرا ٹھنڈی ہونے دے میں خود خان لالہ سے جا کر بات کروں گی ہم صاحباں کو عزت سے بیاہ کر گھر لے آئیں گے دوسری طرف مکھو صاحباں کی سوتیلی ماں نے اپنی کوششوں کو جاری رکھا ایک دن صاحباں کیلئے ساندل بار کے طاہر خان چدھڑ کا پیغام لائی ہوں۔ خان زادی یہ لے اپنا انعام اب بول کیا طے ہوا وہ بیاہ کیلئے تیار ہیں آپ جب چاہیں وہ بارات لے آئیں گے تو ٹھیک ہے آج ہی خان سے بات کرلوں گی تو کل آنا وہ چلی گئی اے صاحباں آجا رانی آجا چھوٹی ماں تو جانتی ہے کہ میں مرزے کی ہوں تو مجھے کسی اور کی جھولی میں کیوں ڈالنا چاہتی ہے میری بات سن لے اگر یہ تیرا انتقام ہے تو میری بھی سن لے میں چدھڑوں میں جانے سے پہلے مرزے کے ساتھ نکل جاؤں گی۔ تو اپنے ہی باپ کے منہ پر کالک تھوپے گی میرا کیا بگاڑے گی اچانک دروازے کی طرف سے آواز آئی دونوں چونک پڑیں مرزیا۔ صاحباں کھل اٹھی بھاگی اور جا کر اس سے لپٹ گئی مرزیا تو یہاں۔ ہاں مامی اس نے روتی ہوئی صاحباں کو بازو کے کلاوے میں لے لیا صاحباں کا بیاہ ہوگا تو مجھ سے ورنہ کسی سے نہیں پھر دونوں پچھلے دروازے سے باہر آئے اور قبرستان کے پاس اجڑے باغ میں چلے آئے جہاں اس کی بکی گھاس چر رہی تھی شام ہونے لگی تو مرزا پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا کچھ دنوں بعد مرزا اپنی بہن کے انتظامات میں لگا ہوا تھا جب مرزے کو خبر ملی صاحباں کا بیاہ ہو رہا ہے اس نے سب کام چھوڑے بکی پر کاٹھی ڈالی اور اکیلا ہی کھیوا جانے کیلئے تیار ہوگیا رائے وجھل نے اس کا راستہ روکا اور کہا: مرزے پتر وہاں سارے دشمن ہیں۔ میں جانتا ہوں بابا۔ مرزا اس وقت کھیوا پہنچا جب صاحباں کی شادی کی آخری رسمیں کی جا رہی تھیں اگلے دن اسے طاہر خان چدھڑ بیاہنے کیلئے آرہا تھا مرزا بکی کو قبرستان کے پاس باغ میں چھوڑ کر خان گھیوا کے گھر پہنچا اور

دونوں پاگلوں کی طرح ٹوٹ کر ایک دوسرے سے ملے صاحباں اب آنسو بہانے کا وقت نہیں بول کیا کرنا ہے۔ مرزے نے اس کی نرگسی آنکھوں کو چوم کر کہا۔ کرنا کیا ہے سوہنیا مجھے دانا آباد لے چل۔ شمیر خان صاحباں گھر میں نہیں ہے ہاں ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں صاحباں کو مرزا بھگا لے گیا ہے میں سچ کہہ رہا ہوں خان کھیوا وہ صبح ہمارے علاقے سے گزرا ہے مرزے کو دانا آباد زندہ نہیں پہنچنا چاہئے یہ ہماری عزت اور غیرت کا سوال ہے پورا گاؤں نیزے اور تیر کمانیں لے کر مرزا صاحباں کے پیچھے گھوڑوں پر سوار دوڑ پڑا وہ دو راتوں کا جاگا ہوا بکی پر صاحباں کو اپنے آگے بٹھائے دانا آباد کی طرف ہوا کے جھونکے کی طرح اڑا جا رہا تھا اس نے ذخیرے میں بکی کو روکا یہاں کیوں رک گئے مرزا۔ صاحباں میں دو راتوں سے جاگ رہا ہوں سفر نے میرے جسم کو چور چور کر دیا ہے دو گھڑی یہاں دم لے لوں پھر چلتے ہیں۔ مرزے نے درخت کے ساتھ ٹیک لگا لی اور اس کی آنکھ لگ گئی ذخیرے میں رکنا مرزے کی سب سے بڑی غلطی تھی مگر صاحباں کی آنکھ کیسے لگتی کبھی اسے لگتا کہ کھیوے کے لوگ نیزوں اور چھریوں سے ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں کبھی اسے یہ ڈر گھیر لیتا کہ مرزے کے تیر قضا کا پیغام بنے اس کے باپ اور بھائیوں کے سینے چھید رہے ہیں وہ کانپ کر ادھر ادھر دیکھتی پھر مرزے کے تیر اور کمان پر نظر پڑتی تو اس کا دل وحشت کا شکار وہ جاتا اس کو علم تھا کہ مرزے کے ترکش میں تین سو بیس تیر تھے جو سارے سیالوں کی جان لینے کے بعد بھی بچ رہتے ایک دم اس پر اپنے باپ اور بھائیوں کی محبت حاوی ہو گئی اسے لگا کہ اس نے مرزے کے ساتھ گھر سے بھاگ کر غلطی کی ہے اس نے ایک پل کو کچھ سوچا پھر مرزے کے تیر اٹھائے اور انہیں توڑ پھوڑ دیا صرف کمان میں جڑا ایک تیر باقی رہا۔ اسی وقت اسے دور سے سیالوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں اس نے گھبرا کر مرزے کو جگانے کیلئے آوازیں دینا شروع کیں وہ اٹھ پڑا سیال آ گئے ہیں صاحباں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ فکر نہ کر صاحباں بس مجھے تیر پکڑاتی جا بات مرزے کے منہ ہی میں رہ گئی اس کی نظریں زمین پر بکھرے ٹوٹے تیروں پر دوڑ گئی وہ

ساری بات سمجھ گیا یہ تو نے کیا کیا صاحباں۔ مرزا جلدی کر نکل چلیں اگر دغا ہی کرنا تھا گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ مرزا باتیں نہ کر بکی پر بیٹھ اب بیکار ہے صاحباں اس سے کچھ کہہ پاتی اس نے کمان میں جڑے تیر کو سیدھا کیا اور للکارے مارتے آتے سیالوں کے طوفان کا نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا دوسرا تیر تھا ہی نہیں جو مرزا کچھ کر پاتا۔ اس نے آخری بار صاحباں کی جانب دیکھا سیالوں نے اس پر تیروں کی بارش کر دی مرزے کا سارا جسم چھلنی ہو چکا تھا صاحباں نے اس کا سر گود میں لیا تو خود اس کے جسم میں بے شمار برچھیاں اور نیزے ترازو ہو گئے دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں تھے ان کی آخری سانس سینے سے ایک ساتھ نکلی اور وہ سیالوں اور کھرلوں کی ضدوں اور ہٹ دھرمیوں سے بے نیاز عشق کی وادی میں اتر گئیں۔

ہیر رانجھا

رانجھا اپنے گھر میں سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور باپ کے لاڈ پیار میں اس قدر بگڑ چکا تھا کہ تیلا توڑنا بھی محال تھا ہر وقت اپنے دوستوں میں گھرا رہتا۔ وجھلی لبوں سے لگائے مدھر تانیں لگاتا رہتا۔ اور باپ کے مال پر عیش کرتا آخر باپ نے مرتے وقت بیٹوں کو وصیت کی کہ اس کے بعد رانجھا کا اپنے بچوں کی طرح خیال رکھنا باپ کے بعد رنجھا کو گھر چھوڑنا پڑا اور مقدر اسے دھکیل دھکیل کر ہیر کی جانب لے جا رہا تھا اور رانجھا نے دریائے چناب کا رخ کیا جس کے پار سیالوں کا شہر آباد تھا وہ تھکن سے چور رہتا بھوک اور پیاس نے الگ تنگ کر رکھا تھا تھکا ہارا آموں کے باغ میں پہنچا تو اس کی ملاقات ہیر سے ہوئی ہیر کو دیکھ کر اس کے حواس اڑ گئے ہیر نے مست نگاہوں سے رانجھے کو دیکھا اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ واپس پلٹ گئی اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہیر کے چچا کیدو کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس نے فوراً اس بات کا ذکر ہیر کے باپ سے کیا ہیر کے باپ کو پریشانی ہونے لگی ہیر اور رانجھے کی ملاقاتیں طویل سے طویل تر ہوتی گئیں اور پھر کیدو نے دو تین بار رانجھے کو بیلے میں دیکھا ایک دن ہیر اپنے ہاتھ سے رانجھے کو چوری کھلا رہی تھی تو کیدو کی نظر پڑ گئی۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا بغیر ثبوت کے ہیر کا باپ نہ مانے گا۔ اور پھر اس نے اپنے ڈیرے کے ایک دو بھنگیوں کو ہیر رانجھے پر نظر رکھنے پر لگا دیا ایک دن جب ہیر رانجھے کو ایک جاں دو قالب سوتے پایا تو ہیر کے باپ کو لے کر آ گیا باپ خاموشی سے گھر واپس لوٹ آیا ہیر شام کے قریب گھر لوٹی تو گھر کا ماحول بدلا پایا ماں

نے پکڑا اور کمرے میں دھکیل دیا باپ نے تلخ نظروں سے گھور کر دیکھا اور منہ پھیر لیا کیدو فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا کیدو بولا بس بھائیا بس بدنامی نے ہمارا گھر دیکھ لیا جتنی جلدی ہو اس کا رشتہ کر دو۔ ''کھیڑوں کا رشتہ میری نظر میں ہے سیدے کھیڑے کیلئے وہ ہیر کا ہاتھ مانگ رہے ہیں'' رشتہ تو اچھا ہے ہیر کے باپ نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور بولا کیدو سنا ہے کہ سیدا کچھ کچھ پاگل ہے۔ غلط سنا ہے اور کچھ دنوں بعد ہیر کا سیدے کھیڑے سے بیاہ ہو گیا ہیر بہت روئی اور غش کھا گئی اور قاضی نے اس کی بیہوشی کو رضامندی سمجھ کر نکاح پڑھا دیا۔ رانجھے کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا وہ مرجانا چاہتا تھا مگر ہیر کے بغیر موت بھی بے معنی لگنے لگی اور اس نے جھنگ سے جہلم تک کا سفر ایسے کیا جیسے اپنا لاشہ اپنے ہی کندھے پر رکھے ہوئے جہلم پہنچا تو گرو بالناتھ کے ڈیرے پر رک گیا وہاں اس نے جوگ لے لیا اور اس کو سکون سا محسوس ہوا۔ گیرو نے چولا پہنایا اور در در بھیک مانگ کر من مارنے کے راستے پر ڈال دیا۔ رانجھا بھیک مانگتا ہوا ہیر کے در پر نکل آیا اور صدا دی'' کچھ مل جائے اللہ والیئے'' سہتی فوراً اندر گئی اور آٹے کی تھالی لے آئی۔ اسی دوران ہیر اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی دکھائی دی اور جوگی کے چہرے کا رنگ بدل گیا سہتی نے جوگی کی نظروں کا تعاقب کیا اور غصہ میں آ گئی آٹے کی تھالی جوگی کے کاسے میں دے ماری اور کہا خیرات لے اور چلتا بن گھروں میں تانک جھانک فقیروں کو بدنام نہ کر دے کاسہ جوگی کے ہاتھ سے چھوٹا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ نامرادے جوگی نے قہر سے اس کی جانب دیکھا جا ہماری بددعا ہے تو ساری عمر بے مراد رہے گی جوگی تو چلا گیا مگر سہتی کو بے قرار کر گیا سہتی مراد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی ہیر سہتی کے بھید سے واقف تھی دونوں نند بھابی گلے لگ گئیں سہتی جوگی سے معافی مانگنے گئی اور جوگی نے اس کو معاف کر دیا سہتی کی مدد سے ہیر اور رانجھا پھر سے ملنے لگے۔ رانجھا ہیر کے گھر آنے لگا ایک دن رانجھا ہیر کو اس کے گھر سے لے نکلا سارے گاؤں کو خبر ہو گئی لوگوں کا ایک ہجوم ان کے تعاقب میں تھا اور انہوں نے جلد ہی ان کو جا لیا۔ ہیر اور رانجھا پکڑے گئے اور دونوں کو راجہ نل کے دربار

میں لے گئے راجہ نل نے ساری بات سنی اور باری باری دیکھا تم دونوں کیا کہتے ہو فیصلہ ہو گیا ہیر اپنے باپ کے ساتھ جائے گی اور رانجھا سات دن بعد اپنی بارات لے کر جھنگ جائے گا اور ہیر کو بیاہ لائے گا رانجھے نے راجہ کو سلام کیا اور تخت ہزارے روانہ ہو گیا اور پھر شادی کا دن آ گیا رانجھا بارات لے کر ہیر کے گاؤں میں داخل ہوا بارات کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا گرمی بھی اپنے زوروں پر تھی مگر کیدو کو لگ رہا تھا یہ بارات نہیں اس کی غیرت کا جنازہ اس کی طرف بڑھ رہا ہے اسی وقت ہیر کی سہیلی ہیر کیلئے پانی لینے آئی کیدو کے دماغ میں آگ سی جلی اے کڑے آج بھی اسے سادہ پانی پلائے گی میں اس کیلئے شربت لے کر آتا ہوں لے ہیرے۔ تیرا چاچا تیرے لئے شربت لے آیا۔ اس میں تیرے چاچے کا پیار مٹھاس بن کر گھلا ہوا ہے۔ ہیر نے چاندی کے گھونٹوں میں گلاس خالی کر دیا چوچک نے دولہا بنے رانجھے کا ماتھا چوما رانجھا اپنے بھائیوں کے ساتھ چوچک ساتھ پڑا جب گھر کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے عورتوں کی آواز آئی کیدو نے ہیر کو زہر دے دیا رانجھا کسی پرواہ کے بغیر گھر میں داخل ہو گیا ہیر نے رانجھے نے اس کا سر دہوتا ہاتھ تھام لیا ہیر نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔ اور کہا اللہ کے حوالے رانجھنا۔ نہ ہیرے نہ میں تیرے بغیر کیسے جی پاؤں گا۔ رانجھا، ہیر کو بانہوں میں لئے زمین پر لڑھک گیا۔ وہ جو جیتے جی نہ مل سکے انہوں نے ایک ساتھ موت کو گلے لگا لیا تھا۔ ازل کا ساتھ ابد میں بدل گیا تھا۔ کیدو ایک نفرت بھرا کردار مگر غیرت کا احساس شاید ایسے ہی روایت پسندوں کے باعث ہر زمانے میں زندہ ملتا ہے۔

لیلیٰ مجنوں

بنو عامر کا قیس اور سرور کی لیلیٰ صحرائے عرب میں زبان زد عام ہو چکے تھے۔ ان کا عشق ہر رات قہوہ خانوں میں نئی نئی کہانیوں کو جنم دیتا جو مزے لے لے کر بیان کی جاتیں۔ عامر اگر اپنے قبیلے کا سردار تھا تو سرور اپنے قبیلے کا سربراہ۔ دونوں اگر ذرا سی عقلمندی کا مظاہرہ کرتے تو یہ قصہ نمٹ سکتا تھا۔ یہ بھی طے تھا کہ عامر نے اپنے بیٹے قیس کیلئے بارہا سرور کے سامنے دامن سوال پھیلایا مگر سرور تھا کہ اس کی ناک پر مکھی ہی نہ بیٹھتی تھی وہ لیلیٰ کیلئے کسی بادشاہ کے خواب دیکھتا تھا اسے یہ احساس نہ ہو رہا تھا کہ اس کی بدنامی میں قیس کے ساتھ اس کی بیٹی برابر کی شریک ہے اگر قیس اسے ملنے کیلئے سارے بند توڑتا تھا تو لیلیٰ بھی دن رات کی پرواہ کے بغیر قیس سے ملنے جا پہنچتی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی لالچی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر دونوں کے درمیان دیوار بنا ہوا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کا داماد شان و شوکت والا ہو جس کے آگے صحرائے عرب کے لوگ پانی بھرتے نظر آئیں۔

ادھر لیلیٰ اور قیس پر سخت پابندیاں تھیں مگر وہ دونوں پابندیاں توڑ توڑ کر ملتے رہتے تھے ایک رات ملاقات کے دوران لیلیٰ نے قیس کو بتایا کہ مجھے لگتا ہے اب کسی دن خونریزی نہ شروع ہو جائے میرے قبیلے کے لوگ اب تمہارے بارے میں علی الاعلان مرنے مارنے کی باتیں کرتے ہیں اس وقت سردار سرور کے سپاہی انہیں چاروں طرف

سے گھیر چکے تھے۔ بابا لیلیٰ سہم سی گئی۔ لے جاؤ اسے اور گھر میں بند کر دو۔ قیس بے اختیار اس کی جانب بڑھا سردار سرور کے سپاہیوں نے اس پر تلواریں سونت لیں۔ سردار بولا ختم کر دو اسے زبان کو لگام دے سردار عامر نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں کہا اور اپنے بیٹے کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ سردار کے سپاہیوں نے قدم ہٹا لئے اور تلواریں نیچی کر لیں اب ان کے سامنے بنو عامر کے جوان بھی تلواریں نکالے کھڑے تھے اس رات کے بعد قیس کے باپ نے قیس پر پابندیاں سخت کر دیں دوسری طرف لیلیٰ پر بھی نگرانی سخت سے سخت تر کر دی گئی یہ صورتحال دونوں کیلئے نا قابل برداشت تھی دونوں اپنے اپنے گھروں میں قیدیوں کی زندگی گزار رہے تھے کچھ عرصہ کے بعد لیلیٰ کے باپ نے نجد ''نخلستان'' میں اپنے بھائی کے ہاں لیلیٰ کو روانہ کر دیا تا کہ قیس لیلیٰ سے دور رہ کر اسے بھولنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیلیٰ نجد میں اپنے چچا کے ہاں پہنچی تو شان دار استقبال ہوا۔ لیلیٰ کا چچا اپنے بھائی کے دکھ سے آشنا تھا مگر اس نے ایک مرتبہ اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش بھی کی مگر کامیاب نہ ہو سکا واپس آیا کہ چچا نے لیلیٰ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی اور کہا اگر بڑی محفل میں قیس نے خود کو ہوشمند ثابت کر دیا تو تمہارے ساتھ اس کی شادی کو کوئی نہیں روک سکتا ورنہ جہاں تمہارا باپ کہے وہاں شادی کر لو گی۔ قیس صرف میرا دیوانہ اور میرے لئے مجنوں ہوا ہے چچا جان اسی رات قیس لیلیٰ سے ملنے اس کے چچا کے گھر آ نکلا قیس کو دیکھ کر لیلیٰ کا کملایا ہوا چہرہ کھل اٹھا لیلیٰ اس کی بانہوں میں سما گئی پھر وہ ہر رات ملنے لگے اور آخر وہ دن بھی آ گیا جب ان کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا محفل میں دونوں قبیلوں کے اکابرین موجود تھے۔ سردار سرور اور اس کے بھائی نے بڑے نپے تلے الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا کہا جاتا ہے کہ قیس مجنوں ہے۔ یہ بات میں نہیں سارا زمانہ کہہ رہا ہے اور ہم اپنی لیلیٰ کا نکاح ایک مجنوں سے کیسے کر سکتے ہیں یہ شرعاً بھی ناجائز ہے ہرگز نہیں سردار عامر کی آواز بلند ہوئی میرا قیس مجنوں نہیں سردار سرور اور اس کا بھائی محفل کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے اور تمام محفل نے اپنا فیصلہ سنا

دیا کہ قیس مجنوں کا نکاح جائز نہیں لیلیٰ کو محفل کے فیصلے کی خبر ملی تو وہ غش کھا گئی اور ہوش میں آنا بھول گئی۔ قیس کے ہوش ایسے اڑے کہ واقعی مجنوں ہو گیا سردار سرور نے یمن کے صوبیدار کو خبر کر دی۔ ہوش سے عاری لیلیٰ کا نکاح پڑھایا اور رخصت کر دیا۔ قیس نے لیلیٰ لیلیٰ پکارتے جنوں کے عالم میں عشق کا گھر آباد کر دیا۔ لیلیٰ اس کے فراق میں مرجھایا ہوا پھول بن گئی مگر کب تک ایک دن دیوانے کے قہقہے تھم گئے۔ اور اسی روز لیلیٰ کا دل آخری بار زور سے دھڑکا اور تھم گیا۔

شیریں اور فرہاد

محبت ایک ایسا خمار ہے جس کے سر چڑھ جائے اسے اپنے سے بیگانہ کر دیتی ہے محبت کرنے والا نہیں دیکھتا کہ وہ جسے چاہتا ہے وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے یا نہیں اسے صرف اور صرف اپنی محبت سے غرض ہوتی ہے جس کا نذرانہ وہ اپنے محبوب کے حضور اپنی قربانیوں اور اپنی وارفتگیوں کی شکل میں پیش کرتا ہے فرہاد بھی ایک ایسا ہی عاشق تھا جسے ملکہ ایران شیریں کی ایک جھلک نے اپنا اسیر کر لیا فرہاد کی محبت یک طرفہ تھی یا نہیں اس سوال کا جواب حاصل کرنے کیلئے ہمیں تاریخ کے رخ سے وہ نقاب سرکانا ہوگا۔ ''شاپور'' شہنشاہ ایران خسرو پرویز کا منہ چڑا وزیر تھا اور خسرو پرویز کی عیاشیوں کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ وہ ملکوں ملکوں خوبرو اور حسین لڑکیاں تلاش کرتا اور انہیں ملکہ ایران بنا کر شہنشاہ کی خوابگاہ تک پہنچا دیتا۔ پھر شاپور نے خسرو پرویز کے محل سے دور ایک اور محل تعمیر کر لیا جس کی اجازت خسرو پرویز نے خود دی یہ محل بے آباد علاقہ میں تھا اور وہاں پر مادر ملکہ کے جاسوسوں کی رسائی ناممکن تھی دن رات کام شروع رہا۔ شیریں، ایران کے ایک دور افتادہ علاقے کے بہت بڑے رئیس کی اکلوتی بیٹی تھی جسے شاپور نے ایک سفر سے واپسی کے دوران باغ میں جھولا جھولتے دیکھ لیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے خسرو پرویز کی ملکہ بنا کر دم لے گا دوسری طرف شاپور نے اپنے خاص مصور کو شیریں کی تصویر بنانے کیلئے اس کے علاقے میں بھجوا دیا اور دوسری طرف شبستان ہفت ستوں کی تعمیر کیلئے ملک بھر سے ہنر مندوں کو کام پر لگا دیا۔ فرہاد ایران کے ایک مانے ہوئے معمار کا بیٹا تھا جو

اپنے باپ کی بیماری کے باعث اس کی جگہ کام پر آیا اور شاپور کی نگاہوں میں جم گیا وہ ایک ماہر سنگتراش تھا وہیں ایک بہترین ماہر تعمیر بھی تھا۔ فرہاد اپنے کام کا دیوانہ تھا اور اس نے اس کام کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا اور دن رات محل کی تعمیر و تزئین میں لگ گیا۔ کچھ دنوں بعد شاپور کا مصور خاص شیریں کی قد آدم دو تصویریں لے کر شاپور کے پاس پہنچا تو شاپور کے ہوش اڑ گئے اگلے دن دونوں تصویریں لے کر فرہاد کے پاس پہنچ گیا فرہاد نے ان تصویروں کو دیکھا تو ایک بجلی سی کوندی اور فرہاد کے خرمن حواس کو جلا کر خاک کر گئی۔ در و دیوار پر اس حسن بے پناہ کو یوں نقش کر دو سنگتراش کہ شہنشاہ اپنا آپ بھول جائے۔ شاپور نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ شہنشاہ فرہاد چونکا ہاں شاپور نے ہاتھ کی گرفت سخت کر دی محل بنتا رہا۔ فرہاد محل کے در و دیوار پر حسین شیریں کے دل آویز نقش فتنہ سامانیوں کا اظہار کر رہے تھے تو کہیں جام اس کے لبوں سے باتیں کر رہے تھے فرہاد کا فن اپنے جوبن پر تھا جس نے شاپور کو انگلیاں دانتوں میں داب لینے پر مجبور کر دیا۔ شبستان ہفت ستوں تین کے بجائے دو ماہ اور سات دن میں مکمل ہو گیا شاپور نے خسرو پرویز کو نوید دی شہنشاہ کل صبح آپ محل دیکھنے جا رہے ہیں شاپور نے کاریگروں اور مزدوروں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا آخر میں فرہاد کی باری آئی تو شاپور نے اسے ایک خاص خیال سے روک لیا۔ دوسرے دن شہنشاہ اپنی شاہی سواری پر محافظ دستے کے جلو میں شبستان ہفت ستوں پہنچا تو شاپور نے سپاہیوں، غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ پھر جب در و دیوار سے پردے ہٹائے گئے تو وہ جیسے پاگل ہو گیا محل کی سیر کے دوران لاجواب شاپور لاجواب میرے شہنشاہ حسن آپ کے دروازے تک آ پہنچا۔ سنگتراش حاضر ہے میرے شہنشاہ اسی وقت دروازے سے فرہاد نے اندر قدم رکھا شہنشاہ کا اقبال بلند رہے آہستہ سے فرہاد نے کہا اور سر اٹھایا۔ ہماری ملکہ کی سب تصویریں تم نے بنائی ہیں۔ نہیں میری دیوانگی نے میرے جذب نے فرہاد کی آواز ابھری شوق؟ جذب کیا کہنا چاہتے ہو سنگتراش۔ فرہاد نے بیباکی سے شیریں کی جانب دیکھا۔ کیا بکتے ہو شاپور یہ پاگل ہو گیا

کیا نہیں شہنشاہ اسے ملکہ کے حسن نے پاگل کر دیا ہے۔ شاپور نے تالی بجائی تلوار بدست پہریدار آئے اس کا سر کاٹ کر کسی کھائی میں پھینک دو نہیں شاپور جانے دو یہ پاگل ہے چھوڑ دو خسرو پرویز نے فرہاد کی دیوانگی کا بڑا غلط اندازہ لگایا فرہاد شیریں شیریں پکارنے لگا شیریں اور فرہاد کا قصہ سارے ملک میں مشہور ہو گیا شاپور نے فرہاد کو مروانے کی کوشش کی مگر بچ جاتا اب فرہاد نے کوہ سبز سے نکلنے والی دودھ کی نہر نکالنی شروع کر دی تین سال گزر گئے اور آخر کار فرہاد نے نہر نکال لی شاپور نے اور چال چلی فرہاد خوشی سے ناچ رہا تھا اچانک کسی کے بین کی آواز نے اس کے قہقہے روک دیئے سامنے ایک بوڑھی عورت کو دیکھ کر جلدی سے اس کی جانب بڑھا کیوں رو رہی ہے آج تو خوشی کا دن ہے میرے دیوانے بیٹے شیریں اس دنیا میں نہیں رہی پاگلوں کے انداز میں فرہاد بڑبڑایا اچانک تیشے والا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور تیشہ اس کے سر میں پیوست ہو گیا۔ خسرو پرویز کو فرہاد کی موت کی خبر ملی تو اس نے شاپور کو سینے سے لگا لیا شیریں کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ پھر نجانے کیوں اس کی آنکھیں نم ہو گئیں خسرو پرویز کا انجام بڑا المناک ہوا مگر شیریں اور فرہاد کی داستان، محبت کی داستانوں میں نمایاں ترین مقام پر آج بھی ایک دیوانے کی بڑ نہیں ایک دیوانے کے لازوال عشق کی حیثیت سے دلوں کو گرماتی ہے اور زمانوں تک گرماتی رہے گی۔

نوری اور جام تماچی

جام تماچی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی سے نکلا اور جنگل کی طرف چلا اچانک جنگل رک گیا سردار جام کے سرکاری فوجی ایک سوار نے جام تماچی کو چونکا دیا اس طرف میں ساتھی نے اشارہ کیا سرکاری فوجی ایک بڑھیا اور بوڑھے کو باندھے گھسیٹے لئے جا رہے تھے یہ حکومت کے باغی تو ہو نہیں سکتے ٹھیک کہہ رہے ہو تم جام تماچی نے کہا ان کی مدد کریں اس کے ساتھی آن کی آن اپنی تلواریں سونتے کھڑے تھے کون ہو تم لوگ بتانا ضروری نہیں جام تماچی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اس کے ساتھیوں نے زمین پر گرے بوڑھے جوڑے کی مشکیں کاٹ دیں ان کو کس جرم میں لے جا رہے ہو ان کی جوان بیٹی نوری کوڑھ کا شکار ہے اس کا سارا جسم زخموں سے گل سڑ رہا ہے اندیشہ یہ ہے کہ اس کا مرض پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ لیکن ان سے ان بوڑھوں سے کیا تعلق جام تماچی نے پوچھا۔ جام جونو نے حکم دیا کہ نوری کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ اپنے مرض کے ساتھ ختم ہو جائے مگر یہ دونوں اس پر تیار نہ ہوئے ان کو زبردستی بستی چھوڑنے جا رہے ہیں ان کی بیٹی نوری اس کا کیا ہوا اسے ہم جنگل میں چھوڑ آئے ہیں تا کہ جنگل کے درندے اسے چیر پھاڑ کھائیں۔ کتنا ظلم جام جونو اس کا علاج کروانے کی بجائے اس کو درندوں کے آگے ڈال دینا۔ جام تماچی کے ساتھی نے سرکاری دستے کو موت کے گھاٹ اتار دیا مجھے مت مارو چلو ہمارے ساتھ بیچاری کو تم جنگل کہاں چھوڑ آئے ہو اور پھر وہ اس جگہ تھے نوری کا تعفن زدہ گلا سڑا جسم جھاڑیوں کی اوٹ میں درندوں کا انتظار کر رہا تھا کراہت اور خوف سے جام تماچی کے ساتھیوں نے چہرے دوسری طرف کر لئے مگر جام تماچی نے ایک نظر بھر کر نوری کی

جانب دیکھا اس کو بستی لے چلو یہ چھوت کا مرض ہے سردار میں جانتا ہوں نوری اور اس کے ماں باپ کے جام تماچی اپنی قلعہ نما حویلی کی جانب روانہ وہ گیا کیا بکتے ہو جام تماچی سرکاری فوج پر حملہ کر کے ایک بار پھر ہماری قوت کو للکارا ہے کیا پیغام دیا ہے اس باغی نے جام جونو نے نفرت سے پوچھا۔ اس نے کہا ہے سرکار غریب رعایا پر ظلم کرنا بند کر دیں ورنہ بہت جلد وہ شاہی محل پر دھاوا بول دے گا جام جونو غصے سے سرخ ہو گیا اس کی یہ ہمت کہ اب وہ ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے کے خواب دیکھنے لگا ہے اسے شیخ حماد جمالی کی شہ حاصل ہے سرکار ورنہ وہ کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالتا شیخ حماد جمالی اسے سندھ کا حکمران دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تو فقر منش انسان ہیں۔ انہیں سرکار دربار سے کیا لینا دینا جام جونو نے اس کی بات کا یقین نہ کیا دو پہر کے فوراً بعد وہ خانقاہ پہ حاضر ہوا شیخ کے حجرے میں قدم بوسی کیلئے چلا گیا بولو کہاں آئے ہو شیخ نے گہری نظروں سے دیکھا آپ روشن ضمیر ہیں جانتے ہیں کیوں آیا ہوں جام تماچی کے سارے خاندان کو تم نے ختم کر دیا اب وہ اکیلا بھی تم کو برداشت نہیں ہوتا وہ حکومت کا باغی ہے سرکار آپ اس کی حمایت کر رہے ہیں سنو جونو آج سے ہم نے سندھ کی حکمرانی جام تماچی کو دی جام جونو کو محسوس ہوا قسمت نے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ جام تماچی نے نوری اور اس کے ماں باپ کو اپنی حویلی کے حصے میں ایک الگ مکان دے دیا نوری کے آنے کی خبر اس کی تینوں بیویوں کو ہو چکی تھی جام تماچی نے اپنی ماں اور تینوں بیویوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر سب بے کار آخر ماں شیخ حماد جمالی کی خانقاہ کی جانب جا رہی تھی شیخ نے تماچی کی ماں کی ساری بات سنی اور مسکرائے اور بولے وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے ایک سردار کی بیٹی ہے وہ مچھیروں میں پلی ضرور ہے مگر ان کی بیٹی نہیں سرکار تماچی کی ماں نے ادب سے کہا آپ کی ہر بات درست مگر نوری کو کوڑھ ہے کہیں ساری بستی کیلئے خطرہ نہ بن جائے۔ شیخ نے ان تینوں کو خانقاہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ شیخ اپنے حجرے میں تھے ان کو اطلاع ملی جام تماچی نوری اور اس کے ماں باپ کو لے کر حاضر ہو گئے ہیں نوری کو شیخ نے محبت سے دیکھا تمہاری اذیت اور امتحان کے دن

گزر گئے خانقاہ کے عقب میں چشمے کے کنارے چلی جاؤ اندھیرا ہوتے ہی غسل کر لینا جاؤ بیٹی شفا کا پیغام آچکا نوری کراہتی ہوئی اٹھی حجرے سے نکل گئی کتنے دن گزر گئے جام تماچی ایک دن خانقاہ چل پڑا خانقاہ کے چشمے پر ایک جواں سال لڑکی پانی بھر رہی تھی تماچی نے ایسا حسن پہلے نہ دیکھا تھا آؤ تماچی۔ بڑے دنوں کے بعد آئے شیخ نے محبت سے پوچھا۔ شیخ نے پکارا نوری حجرے کے تاریک گوشے سے وہی چاند نکل آیا تماچی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا نوری میری بیٹی مہمان کیلئے شربت لے آؤ نوری ادب سے سر جھکا کر باہر نکل گئی یہ سب کیسے ہوا سرکار۔ سب اللہ کا کرم ہے تماچی ٹھٹھ کا تاج تیرا انتظار کر رہا ہے جاؤ اور اپنی حکومت سنبھال لو پھر ایک خونریز جنگ کے بعد ملک کا انتظام جام تماچی نے درست کرنا شروع کر دیا تین مہینے گزر گئے جام اگرچہ علاقے کے بگڑے ہوئے حالات کی درستی میں لگا رہا مگر ایک پل بھی وہ نوری کو اپنے ذہن سے محو نہ کر سکا آخر خانقاہ پر حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا تو راستہ میں نوری کے ماں باپ سے ملاقات ہوئی نوری ایک جھونپڑی کے کونے میں چپ چاپ کھڑی تھی جام تماچی نے ایک ہی فقرے میں اپنا مدعا بیان کر دیا نوری نے سنا تو اس کا سر شرم سے جھک گیا نوری آپ کی ہوئی میرے بادشاہ باپ نے کہا۔ میرے شیخ سرکار نے کہا تھا کہ نوری کسی بڑے آدمی کے گھر جائے گی۔ دوسرے دن نوری اور تماچی کی شادی ہو گئی دلہن بنی نوری کسی شہزادی سے کم نہ لگ رہی تھی جام تماچی اپنی نئی نویلی دلہن نوری کے ساتھ سرکار کی قدم بوسی کیلئے روانہ ہو گیا حماد جمالی نے ان دونوں کو اپنے سامنے دیکھا تو بڑے محبت بھرے انداز میں مسکرائے۔ شیخ سرکار نوری آگے بڑھی اور ان کے قدموں پر جھک گئی جیتی رہو سلامت رہو شیخ نے اس کے سر پر پیار دیا جام تماچی سرکار اور ادب سے سر جھکائے آگے آیا۔ نوری کو کبھی دکھ نہ دینا اس نے اپنا سارا دکھ بھگت لیا ہے نوری اور تماچی نے ساری زندگی ایک دوسرے کی محبت میں ڈوب کر گزاری کسی کا فریب، سازش اور حسد ان پر اثر انداز نہ ہو سکا نوری نے جام تماچی کے دل کی ملکہ بن کر ساری زندگی حکومت کی اور دل پر حکومت کرنا کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

سلیم اور انارکلی

شاہی باغ میں مینا بازار کی رونقیں عروج پر تھیں۔ نورالدین محمد جہانگیر شہزادہ سلیم المعروف شیخو بابا اپنے منہ چڑھے مصاحب جلال کے ساتھ مینا بازار میں گھوم رہا تھا اسی وقت شہزادہ سلیم کی نظر کچھ دور چند البیلی جوانیوں پر جم گئی جلال وہ دیکھو سلیم نے انگلی سے اشارہ کیا ان لڑکیوں میں جو سرخ لباس میں ملبوس پری کھڑی ہے ناں حضور واقعی آپ کا حسن نظر کمال کا ہے حضور اس کا نام مہر النساء ہے رقص اور گائیکی میں اس کے کمال نے چند ہی دنوں میں اسے گلنار پر توفیت دلا دی ہے گلنار شاہی رقاصہ کو نیچا دکھانا معمولی بات نہیں حضور کل شہنشاہ ہند کے دربار میں جشن نوروز کے موقع پر رقص کرے گی سلیم کی آنکھیں چمک اٹھیں کل ہم کو دیکھنے کا موقع ملے گا دربار میں موجود شہنشاہ اکبر کے نورتن واہ واہ پکار اٹھے۔ مہر النساء واقعی رقص کے نام پر اپنے جوان اور پرشباب اعضاء سے شاعری کر رہی سلیم کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا مہر النساء کے دیکھنے کا انداز اسے بیتاب کر گیا رقص ختم ہوا مہر النساء تعظیم دینے کیلئے تخت شاہی کے قریب آ کر جھکی تو شہنشاہ نے ہوش میں آ کر اس کی جانب غور سے دیکھا بہت خوب مابدولت تمہارے رقص سے تمہاری آواز کے سحر سے لطف اندوز ہوئے اکبر نے اپنے گلے سے سچے موتیوں کی مالا اس کی جانب اچھال دی تمہارے وطن کے انار بہت مشہور ہیں ہم تمہارے وطن کی عزت اور احترام کی نسبت سے تمہیں انارکلی کا خطاب دیتے ہیں انارکلی کی نگاہ ایک بار پھر سلیم سے ٹکرائی وہ اپنی جانب شہزادہ کی نظریں پا کر لرز گئی جب وہ لوٹی تو گلنار کھڑی اسے کینہ کی

نظروں سے گھور رہی تھی مبارک ہو انارکلی تمہیں بھی مبارک گلنار بیگم سلیم انارکلی کے حسن کا اسیر ہو چکا تھا اور اب ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور دونوں محبت کے سفر پر بہت دور نکل چکے تھے ایک رات انارکلی سلیم سے کہہ رہی تھی میں ایک کنیز ہوں اور آپ ہندوستان کے ولی عہد انارکلی ہم صرف دو پیار کرنے والے ہیں یہ حقیقت نہیں ہے صاحبِ عالم ہمارے درمیان جو فرق ہے اسے کوئی نہیں مٹا سکتا میں مٹاؤں گا یہ فرق سلیم جذباتی ہو گیا سلیم کے دل میں انارکلی کیلئے سچے جذبے نے جنم لے لیا ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ پیار میں شدت آتی چلی گئی گلنار دیکھ رہی تھی انارکلی کا حسن نکھرتا جا رہا ہے حسد کی چنگاری تو اسی دن اس کے دل میں پھوٹ پڑی تھی اس چنگاری کو سلگتے ہوئے سال بھر ہونے کو آیا تھا۔ ایک رات کو گلنار نے کوئی سایہ انارکلی کے گھر سے نکلتا دیکھا سلیم اور انارکلی مقام ملاقات پر تھے انارکلی سلیم کی بانہوں میں سما گئی یہ منظر گلنار کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے کوشش کی کہ سرگوشیاں سننا چاہتی تھی اس کوشش میں اس آہٹ نے سلیم اور انارکلی کو چونکا دیا۔ سلیم بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور اس پراسرار وجود کا انتظار تھا جسے دیکھے بغیر اپنے پاس ہونے کا حکم سنایا تھا سلیم نے دروازے کی جانب دیکھا آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں گلنار سر جھکائے تسلیمات کے انداز میں کھڑی تھی تم ہماری ٹوہ میں کیوں ہو گلنار یہ کنیز آپ کی خلوت آج تک حاصل نہ کر سکی اور کل کی انارکلی آج آپ سے چاندنی راتوں میں لطف اندوز ہوتی رہتی ہے سلیم کی پیشانی پر پڑے بل بتا رہے تھے کہ وہ کسی کشمکش میں مبتلا ہو چکا ہے تم جانتی ہو تمہاری زبان سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اس میں تم خود جل کر راکھ ہو سکتی ہو گلنار شہنشاہ اکبر کا چہرہ سرخ ہو گیا کنیز ثبوت کے بغیر کچھ عرض نہیں کر رہی ظل الٰہی اگر الزام غلط ہوا تو ہم تمہیں بھوکے شیر کے آگے ڈال دیں گے منظور اگر میری بات سچی ہوئی تو منہ مانگا انعام پاؤ گی کل جشن نوروز کے سالانہ رقص میں اپنی بات سچ ثابت کر دوں گی جشن نوروز شروع ہوا آخری رقص انارکلی کا تھا گلنار نے کنیز کو اشارہ کیا وہ شربت کا پیالہ قریب لائی اس نے پیالہ لے کر ہونٹوں

سے لگا لیا شربت حلق سے نیچے اتر چکا لڑکھڑاتی ہوئی انارکلی دربار کے فرش پر نمودار ہوئی اس کا حال دیکھ کر سلیم کا ماتھا ٹھنکا وہ سمجھ گیا کہ وہ ہوش میں نہیں ہے ساری بات سلیم پر عیاں ہوگئی انارکلی نے آخری شعر گایا اور سلیم کے قدموں گر گئی گستاخ شہنشاہ اکبر چیخ کر اٹھ کھڑا ہوا ''عتاب'' اس نے ہاتھ انارکلی کی طرف دراز کر دیا دربار برخاست کر دیا گیا سلیم پردے کے پیچھے کھڑی گلنار کو قہر سے گھورتا ہوا دربار سے نکلا اور زندان کی جانب چل پڑا داروغہ زندان نے جلال سے اشرفیوں کی تھیلی وصول کی اور سلیم کو انارکلی سے ملنے کی اجازت دی وہ ہوس سے عاری سلیم نے اس کا زنجیروں میں جکڑا جسم بانہوں میں بھر لیا آخر سلیم شہنشاہ اکبر کے پاس گیا اکبر نے سلیم کو ملامت بھری نظروں سے دیکھا تم ایک کنیز کے سفارشی بن کر ہمارے پاس آئے ہو شیخو بابا۔ یہ بات ہمیں اچھی نہیں لگی اکبر تلخی سے بولا۔ ہم مجبور ہیں ظل الٰہی ہم انارکلی کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتے اکبر نے زخمی نگاہوں سے دیکھا اجازت دیجئے ظل الٰہی سلیم نے سر جھکا کر اکبر کو تعظیم دی اور الٹے پاؤں باہر نکل گیا۔ جودھا بائی بولی اکلوتے بیٹے کے ساتھ یہ ضد۔ ایسی اصول پرستی کس کام کی جو باپ بیٹے میں دیوار بن جائے اچانک اکبر بڑبڑایا کہاں جا رہے ہیں آپ اکبر انارکلی کی کوٹھڑی میں تھا ظل الٰہی انارکلی نے جھک کر اسے تعظیم دی اکبر نرم لہجے میں بولا سلیم کو اپنے جال میں پھانسنے سے پہلے یہ نہ سوچا کہ تمہارے اور اس کے درمیان فرق ہے یہ سب قسمت کا لکھا تھا تم سلیم سے دور چلی جاؤ یہ تمہارے اور ہمارے حق میں اچھا ہو گا میں جان دے سکتی ہوں مگر ان سے دور نہیں جا سکتی تم اپنی جان سے جاؤ گی لڑکی ہمیں ظالم بننے پر مجبور نہ کرو انارکلی اکبر نے اسے نفرت سے دیکھا اور باہر نکل گیا گلنار ہمارا تم سے وعدہ تھا مانگو کیا مانگتی ہو جی ہاں ظل الٰہی انارکلی مغلیہ وقار کیلئے ناسور بن چکی میرا انعام انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا جائے آپ مجھے منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کر چکے ہیں اپنا وعدہ پورا کیجئے گلنار نے ضد سے کہا۔ سلیم نے باپ کے بعد ماں کے آگے بہت سر مارا ہار کر زندان میں انارکلی سے ملنے گیا تو خبر ملی کہ انارکلی کو وہاں سے دور لاہور کے نواح میں

منتقل کر دیا گیا ہے وہ دوبارہ اکبر کے حضور گیا اس وقت تک انارکلی کو زندہ دیوار میں چننے کا حکم دے چکا تھا ظل الٰہی اپنے سلیم کو زندہ درگور نہ کیجئے وہ انارکلی کے ساتھ آپ کا ملک چھوڑ کر کہیں دور چلا جائے گا انارکلی کی موت کا حکم واپس لے لیجئے ورنہ آپ کو شیخو کی لاش دیکھنا پڑ جائے گی اکبر تڑپ اٹھا ایسا نہ کہو جان بابا اسے بخش دیں سلیم کی آنکھ نم تھی میں ایک شہنشاہ سے نہیں اپنے بابا سے مانگ رہا ہوں سلیم جذباتی لہجے میں بولا۔ بابا سلیم اس کے قدموں پر جھک گیا صبح سے شام ہوگئی کوئی دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہونے کے آثار نظر نہ آئے امید کی آخری سوراخ پر اینٹ رکھتے ہوئے معمار کے ہاتھ کانپے تو انارکلی کے ہونٹوں سے درد بھری چیخ نکلی معمار کو لگ رہا تھا کہ اس نے اکبر اعظم کے حکم کی تعمیل کر کے اپنی جان پر نا قابل معافی ظلم کیا ہے اکبر نے بیٹے کی نظروں میں سرخرو ہونے کی چال اس وقت چلی جب بساط الٹ چکی تھی۔

سوہنی مہینوال

گجرات کی سوہنی اور بخارا کے تاجر عزت بیگ کی کہانی برتنوں کی دوکان سے شروع ہوئی تلے کمہار کی دوکان پورے گجرات بھر میں مشہور تھی لوگ دور دور سے برتن خریدنے آتے ایک دن سوہنی اپنے باپ کے ساتھ کام کر رہی تھی ایک گاہک نے منقش پیالے کی قیمت کا پوچھا سوہنی نے قیمت بتائی تو گاہک بولا اتنی کم گاہک حیرانی سے بولا۔ ہم جائز منافع لیتے ہیں تم مقامی تو نہیں میں بخارا کے تاجر کا نوکر ہوں تمہارے ظروف بخارا و سمرقند میں منہ مانگے داموں پر بیچے جا سکتے ہیں میں بطور نمونے کے خرید رہا ہوں امید ہے میرے مالک کو پسند آئیں گے اچھا جی میں چلتا ہوں۔ عزت بیگ بخارا کے ایک تاجر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اور اس کے باپ کا نام مرزا بیگ تھا عزت بیگ کی پیدائش کے بعد دولت نے ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔ عزت بیگ ماں باپ کا بڑا لاڈلا تھا جوان ہوا تو عزت نے شراب و شباب اور دن رات دوستوں کے ساتھ رنگین مزاجی اور باپ کی کمائی اڑانے میں مصروف رہنے لگا کسی سیانے نے مشورہ دیا کہ عزت بیگ کو کام میں لگاؤ تا کہ اسے دنیا داری کی سمجھ آ جائے باپ نے بہت سوچا اور فیصلہ کیا کہ فی الحال عزت بیگ کو کاروبار میں لگایا جائے مرزا بیگ نے گجرات سے آئے ہوئے اپنے ایک دوست سے مشورہ کیا عزت بیگ روانہ ہو گیا گجرات پہنچ کر وہ سرائے میں ٹھہرا اور اس نے کم ظرفوں کی خدمات حاصل کر کے رات دن رنگینیاں کشید کرنا شروع کر دیں۔ گلفام اس کا ملازم اور اپنے مالک کی فطرت سے واقف تھا اور اس نے سوہنی کے حسن کو تاک لیا

تھا آپ کیلئے ایک تحفہ ہے اس نے منقش پیالہ عزت بیگ کے سامنے پیش کیا یہ یہاں کی سب سے خوبصورت دستکاری کا نمونہ مالک سوہنی نام کی سوہنی اس کا انگ انگ سوہنا ہے بس بس مکھن کم لگایا کرو چلیں گے کسی دن بس سرکار آج ہی بلکہ ابھی سہ پہر کے قریب دونوں تلے کمہار کی دوکان پر تھے عزت بیگ سیدھا اس طرف جا کھڑا ہوا جہاں سوہنی لوگوں کو برتن دکھا رہی تھی اس نے سوہنی کو ایک نظر دیکھا اور اس کے ہوش اڑ گئے۔ سوہنی کا حسن اس کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا اور سوہنی نے بھی ایسا بانکا زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا آپ کو کیا چاہئے گا ہوں میں عزت بیگ کی باری آئی تو سوہنی نے پوچھا جی میرا نام عزت بیگ ہے میں بخارے سے آیا ہوں اپنا تعارف کراتے ہوئے سوہنی سے نظر ہٹالی جی جی تلے نے سر ہلایا گلفام نے بتایا تھا آپ کا نام آپ کو ہمارا مال پسند آیا جی میں چاہوں گا کہ آپ اپنا زیادہ مال میرے ہاتھ فروخت کریں یہ پیشگی رکھئے عزت نے طلائی مہروں کی ایک تھیلی تلے کے ہاتھ پر رکھ دی عزت بیگ نے طائرانہ نگاہ سے سوہنی کو تاکا جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا دونوں کی نظریں ملیں تو وہ شرما کر رہ گئی پھر اب میں کب حاضر ہوں جب آپ کا جی چاہے آیئے تلے نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا کیا آپ مجھے موجود مال دکھا سکیں گے تاکہ مجھے اندازہ ہو جائے ضرور ضرور تلے نے سوہنی کی طرف نظر اٹھائی سوہنی بیٹی عزت بیگ کو اندر لے جاؤ اور مال دکھا دو آیئے سوہنی نے تیز ہوتی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی جانب بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھا وہ مست ملنگ سا اٹھا اور اس کے ساتھ ہو لیا سوہنی اس کو کچے کوٹھے میں لے آئی جہاں برتن رکھے گئے تھے وہ کبھی اس کی آنکھوں میں ڈوب جاتا اور کبھی اس کا پرشباب جسم اس کو دیوانہ بنا دیتا سوہنی سمجھ رہی تھی کہ عزت بیگ کا سارا دھیان اسی میں ہے مال آپ نے دیکھ لیا اب چلیں باہر بابا اور گلفام ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے عزت اپنے دل کی ساری بات سوہنی سے کرنا چاہتا تھا اسی وقت آواز باہر سے آواز آئی سوہنی پتر۔ بابا آئی سوہنی نے پیار بھری نظروں سے عزت بیگ کو دیکھا اور باہر نکل گئی عزت

بیگ اور گلفام سرائے واپس آ گئے عزت بیگ واپس آ تو گیا مگر اس کا دل وہاں پر رہ گیا تھا وہ جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا زندگی میں شاید یہ پہلی بار ہوا تھا اس کو سوہنی سے عشق ہو گیا تھا بات اگر وقتی عیاشی کی ہوتی تو عزت بیگ کی یہ حالت نہ ہوتی اس کا دل نہ شراب میں لگ رہا تھا نہ شباب اسے بہلا رہا تھا۔ اس سے دوری کی آج پہلی رات تھی اس نے جس عذاب میں گزاری اس کا احساس اس وقت شدت اختیار کر گیا جب صبح ہوئی تو نیند کی بجائے سوہنی کے دیدار کی خاطر اس کی دوکان پر جانے کی بیتابی تھی مجھے سوہنی سے عشق ہو گیا ہے اس کو ایک دم خیال آیا دن ہفتے ماہ گزر گئے وہ روزانہ وہاں جانے لگا سوہنی بھی بڑی بیتابی سے اس کیلئے منتظر رہتی ایک دن سوہنی دوکان پر اکیلی تھی اور عزت بیگ نے سوہنی کو اپنے دل کا پیغام دے دیا اور اس نے قبول کر لیا اور پھر کتنی ہی دیر وہ ایک دوسرے سے لپٹے رہے سوہنی کے دل کی بات لبوں تک آ گئی وہ بولی بیگ مجھے چھوڑ کر چلے تو نہ جاؤ گے نہیں سوہنی اب مرنا جینا تیرے ساتھ ہے تم حکم کر کے دیکھو سوہنی جھوم کر رہ گئی۔ ہر آنے والا دن ان کیلئے محبت میں شدت کا پیغام لے کر آتا پھر اسی دوان ایک بری خبر ملی بخارا میں اس کے باپ مرزا بیگ کا انتقال ہو گیا اس کے ملازموں نے واپس چلنے کو کہا مگر سوہنی کے پیار نے اس کے قدموں میں زنجیریں ڈال دیں اس کو باپ کا دکھ تھا مگر سوہنی سے دور جانے پر راضی نہ تھا وہ وہیں رک گیا وقت گزرتا چلا گیا عزت بیگ کی پونجی ختم ہوتی گئی سرائے کے مالک نے کرایہ ادا نہ کرنے کی صورت میں کمرہ خالی کرنے کو کہا ادھر تلے کا پچھلا ادھار چکانے کیلئے پیسے نہ تھے سرائے کے مالک کے بار بار تنگ کرنے پر عزت بیگ چناب کنارے گھاس کی ایک جھونپڑی میں جا بسا اس جھونپڑی میں رات کو وہ سوہنی سے ملا کرتا تھا حالت سے تنگ آ کر اس نے تلے کمہار سے نوکری کی بات کی اس طرح ان کو قریب رہنے کا خاصا وقت مل جاتا پھر تلے نے چناب کنارے بھینسیں چرانے کے کام پر لگا دیا بھینسیں چرانے کے حوالے سے وہ لوگوں میں اتنا جانا جانے لگا کہ اصل نام بھول گئے اور اب وہ مہینوال کے نام سے مشہور ہو گیا وہ ہر رات ملتے اور سوہنی اور

مہینوال کا عشق زیادہ دنوں تک لوگوں سے چھپ نہ سکا تلا اور اس کی بیوی کو علم ہوا تو دونوں ہکے بکے رہ گئے تلا اپنی برادری میں رسوا ہو گیا۔ اب اس نے سوہنی کی نگرانی سخت کر دی سوہنی نے تنگ آ کر اپنی ماں سے کہا آپ میری شادی مہینوال سے کر دیں۔ پاگل ہو گئی ہو لڑکی ہماری برادری نہیں مانے گی ماں باپ نے فوراً سوہنی کی شادی اپنی برادری میں طے کر دی جب مہینوال کو اس شادی کا بتایا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا پھر جب اس کی شادی ہو گئی تو مہینوال نے چناب میں کود کر جان دینے کا سوچا اب وہ ٹوٹ کر رہ گیا تھا مگر اس کو امید تھی کہ سوہنی اس کے پاس آئے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ایک روز سوہنی گھر میں اکیلی تھی گھر والے دوسرے گاؤں شادی پر گئے ہوئے تھے وہ کشتی میں چناب پار کر کے دوسرے کنارے مہینوال کے پاس جا پہنچی۔ سوہنی اس سے لپٹ گئی اور دونوں کتنی ہی دیر روتے رہے ایک پہر مہینوال کے پہلو میں گزار کر سوہنی مہینوال سے وعدہ کر کے اٹھی کہ وہ ہر رات چناب پار ملنے آیا کرے گی پھر سوہنی نے اپنا وعدہ نبھانا شروع کیا سوہنی نے دریا پار کرنے کیلئے چناب کنارے جھاڑیوں میں اپنے باپ کے ہاتھ کا بنا ہوا پکا گھڑا چھپا دیا یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا۔ دو دیوانے پیار محبت کی آنکھ مچولی یہ سمجھ کر کھیلتے رہے کہ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ایک رات مہینوال نے ایسے لذیذ کباب بنائے سوہنی ہونٹ چاٹتی رہ گئی کئی ہفتے بعد سوہنی نے پھر وہی کباب کھانے کو کہا اگلے دن مہینوال مچھلی پکڑنے میں کامیاب نہ ہوا آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک ایسا فیصلہ کیا جو کوئی دل والا ہی کر سکتا ہے سوہنی آئی تو اس نے گرم گرم کباب سوہنی کے سامنے رکھے خود چادر لپیٹ کر بیٹھ گیا سوہنی نے ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور چباتے ہی تھوک دیا۔ یہ کیسا کباب ہے کیا مچھلی کا ہے تیری قسم مچھلی کا ہی ہے اس کی نظریں چادر میں چھپی ران پر جم گئیں اسے اپنی محبت میں اس قدر آگے نکل جانے والے مہینوال پر ایسا پیار آ رہا تھا کہ کیا کسی کو اپنے محبوب پر آیا ہو گا۔ نند کو سوہنی کی آنکھوں کی مستی اور جسم کی لچک نے شک ڈال دیا آخر ایک رات یہی جاننے کیلئے سوہنی کا پیچھا کیا اور سارا راز کھل گیا وہ خاموشی سے لوٹ آئی۔ شور مچاتی تو گھر

کی بدنامی ہوتی سوہنی کی نند سوچ سوچ کر آخر اس بات پر رک گئی کچھ ایسا کرے جس سے سپنی بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے آج بادل گرج رہے تھے سوہنی بارش اور ہوا کے طوفان سے گرتی گھڑے کے پاس آئی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا گھڑا بدلا ہوا تھا مگر پھر بھی اس نے گھڑے کو اٹھایا چوما اور دریا کے کنارے چلی آئی۔ دوسرے کنارے پر مہینوال اس کے انتظار میں کھڑا تھا طوفان کے باوجود سوہنی دریا میں کود پڑی مگر فطرت کیسے بدل سکتی ہے کچا گھڑا چاہتے ہوئے بھی زیادہ دیر تک اس کا بوجھ نہ سہار سکا سوہنی کے ہاتھوں سے گھڑا پھسلا تو اس کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا مہینوال دوسرے کنارے پر وہ دریا کی بلند تر لہروں میں ڈوبتے ابھرتے دیکھ کر بے چین ہو گیا جونہی اسے دوسری بار سوہنی نے مہینوال کہہ کر صدا دی تو وہ میں آ رہا ہوں سوہنی کہہ کر دریا میں کود گیا اور دیوانہ وار چناب کی بپھری ہوئی لہروں کو چیرتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے چناب بپھرا ہوا تھا اور موسم طوفان کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا دونوں دیوانہ وار ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے بالآخر قریب قریب آ پہنچے ایک دوسرے سے ایسے لپٹے کہ جدا ہونا بھول گئے پھر اچانک طوفان تھم گیا چناب پرسکون ہو گیا محبت کی کہانی اپنے اختتام کو پہنچ گئی سوہنی اور مہینوال کی لاشیں تہہ نشیں ہو گئیں۔

سسی پنوں

سسی جس ناز و نعم میں پلی اس کا خواب کم کم لوگوں نے دیکھا ہوگا اس کی جوانی خود اس کا شباب آلود حسن دیکھ کر انگلی دانتوں میں داب لیتی تھی۔ باپ نے کبھی اس کو احساس نہ ہونے دیا کہ وہ اس کی سگی بیٹی نہیں نہ ہی گاؤں والوں نے اشارتاً بتایا مگر وہ سب جانتی تھی اس کی ماں نے اس کے کپڑے اور گلے میں حمائل تعویذ دکھا کر سب کچھ بتا دیا تھا۔ سسی اپنے ہاتھوں شیر خواری کے کپڑے اور وہ تعویذ صندوق میں رکھ کر سب بھول گئی اور اس نے دل و دماغ سے مان لیا کہ دنیا میں اگر میرا کوئی ہے تو یہی چودھری محمد اور اس کی بیوی ہی ہیں پھر دوسری جانب اس کے حسن جہاں سوز شہرت کے پروں پر سوار بھنبھور سے نکلا اور مکران کے علاقے کیچ کے حکمران آری جام کے سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے پنوں کی سماعتوں میں اتر گیا باپ اور بھائیوں کا لاڈلا پنوں ہر وقت اپنے دوستوں کی محفلوں میں سسی کا نام لے لے کر آہیں بھرنے لگا تو اس کے گھر والے سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنے لگے ایک دن اپنے دوستوں میں بیٹھا سسی کے قصیدے پڑھ رہا تھا اس کے ایک دوست منگی شاہ نے زبان کھولی شہزادہ پنوں اگر آپ سسی کے بارے اس قدر سنجیدہ ہیں تو آپ کو اس سے ملنے کی کوئی صورت کرنی چاہئے۔ بھنبھور جانا کوئی مذاق ہے منگی شاہ پنوں نے آہ بھری سیر سپاٹے کے بہانے تو جایا جا سکتا ہے مگر بابا مجھے اتنی دور جانے نہیں دیں گے۔ ایک دوست بولا تجارت۔ پنوں کی آنکھیں؟؟ ہم وہاں خوشبوؤں کے تاجر کی حیثیت سے جائیں گے اسی رات

اس نے اپنے باپ آری جام سے بھنبھور جانے کیلئے اجازت چاہی آری جام نے سوچا کہ نوجوان شہزادہ دنیا داری کے اسرار و رموز سیکھنے کیلئے کیچ سے باہر جانا چاہتا ہے اس لئے اس کو شاہی خزانے سے تصرف کی اجازت بھی دے دی۔ پنوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا ٹھیک پندرھویں دن وہ ایک چھوٹے سے قافلے کی صورت بھنبھور کی طرف روانہ ہو گئے وہاں چودھری محمد نے اپنے ذاتی مہمان خانے میں ٹھہرایا اب وہ دھوبی نہیں تھا علاقے کا امیر ترین آدمی تھا علاقے میں جب تاجروں کی آمد کا پتہ چلا تو سسی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں پہنچی تاجروں کو جب چودھری محمد کی بیٹی کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی پذیرائی کی۔ سسی مختلف تصاویر دیکھتی ہوئی ایک مردانہ شاہکار کے سامنے رکی اس کا دل دھڑک کر جیسے سینے سے باہر آنے کو تھا کتنی ہی دیر بت بنی اس نوجوان چہرے کو تکتی رہی۔ یہ کیچ کے شہزادے پنوں کی ہے۔ تاجر نے ادب سے کہا۔ کیا وہ اتنا ہی خوبصورت ہے۔ ایک سہیلی نے شوخی سے کہا۔ میں یہ تصویر خریدنا چاہتی ہوں سسی بے خودی کے عالم میں بولی۔ سسی کے کمرے میں اب وہی تصویر تھی اور دن رات پنوں کی تصویر کا دیدار تھا آخر کار پنوں کو محض نمائشی طریق پر وہاں موجود رہنا پڑتا تھا جب سسی کو یہ خبر ملی تو اس کا دل پھڑک کر رہ گیا پنوں کیچ کا شہزادہ عطر کے تاجر کے روپ میں آیا ہے تو سسی سے مزید انتظار نہ ہوا پنوں کو دیکھتے ہی وہ حال سے بے حال ہو گئی اب دونوں براہ راست ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے آپ کیا خریدنا چاہیں گی جو آپ بیچنا چاہیں اس کی مسکراہٹ نے پنوں کا حوصلہ بڑھایا میں پنوں اس کا حلق خشک ہو گیا آپ کے خیمے کے پچھلی جانب آم کا باغ ہے صبح اس کی سیر کو آیئے گا اس کی سہیلی نے ہولے سے کہا اور سسی کا ہاتھ تھام کر چل دی جاتے ہوئے سسی نے آخری بار پنوں کو ایسی دیوانگی سے دیکھا پنوں کی جان لبوں پر آ گئی رات جیسے تیسے گزری سستی کے حسن کا نشہ ایسا گہرا تھا کہ وہ رات بھر جاگتا رہا۔ صبح دم جب وہ باغ میں پہنچا تو اسے انتظار نہ

کرنا پڑا دونوں دیوانے ایک دوسرے میں گم ہو گئے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بے قراریاں بڑھتی رہیں وقت گزرتا رہا شہزادے حضور۔ یہ ذات کے دھوبی ہیں اور خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے مگر ہم سسی کے بغیر جی نہیں سکتے اسی شام جب سسی سے ملنے گیا تو اس نے اپنی بے قراری اور بیتابی کا حال سمجھانے میں دیر نہ لگائی سسی نے اپنی ایک سہیلی کی مدد سے اپنے دل کی بات سے ماں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی اس کی سہیلی نے ہلکے پھلکے الفاظ میں ساری بات اس کی ماں کے کانوں میں انڈیل دی اس کی ماں نے باتوں باتوں میں چودھری کو کہا سسی کی شادی کا کیا سوچا ہے برادری میں کوئی ایسا رشتہ میری نظر میں نہیں ہے تو کیا اس کو گھر میں بیٹھا کر رکھنا ہے یہ میں نے کب کہا۔ مگر کوئی دکھائی بھی دے ویسے ایک رشتہ بتایا ہے کسی نے کون ہے چودھری نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا وہ جو کیچ سے عطر کا تاجر آیا ہے ناں۔ وہ اپنی سسی کا ہاتھ مانگ رہا ہے کیچ کا تاجر۔ چودھری سنبھل کر بیٹھ گیا مگر ہم اپنی بیٹی کو اتنی دور کیسے بھیج دیں نہیں وہ یہیں بس جائے گا ہمارے پاس بات باپ کے دل کو لگی اس نے پنوں کے بارے میں لوگوں سے پوچھا۔ کسی نے اس کی بدتعریفی نہ کی اس نے بات اللہ پر چھوڑی اور پنوں کا رشتہ منظور کر لیا اور دھوم دھام سے شادی ہوگئی اس کا دوست منگی شاہ اب بھی اس کے ساتھ تھا دوسرے ملازموں کو بھاری انعام دے کر رخصت کر دیا گیا۔ سسی اور پنوں ایک دوسرے کی محبت میں ایسے گم ہوئے کہ انہیں کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ پنوں نے اپنے ملازموں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کرتے وقت ان سے وعدہ لیا تھا کہ اس کے باپ کو کیچ کا حکمران ہونے کے ناطے اس رشتہ پر راضی نہ ہوگا کہ پنوں کسی دھوبی کی بیٹی کو بیاہ کر شاہی محل میں لے آئے اس لئے وہ یہیں سسی کے پاس رہ کر زندگی گزار دے گا منگی شاہ پنوں کی شادی کے بعد اکیلا رہ گیا تھا آخر اکتا کر اس نے ایک دن جب پنوں سے واپسی کی اجازت مانگی تو پنوں اداس ہو گیا لیکن ایک وعدہ تو کر سکتے ہو منگی شاہ

حکم شہزادے مجھ سے ملنے آیا کرو گے ناں آپ جانتے ہیں میں آپ کے بغیر زیادہ دن رہ نہیں سکتا اور بابا سے کیا کہو گے یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے پنوں نے اجازت دے دی میں تمہاری آمد اور تمہاری طرف سے ہر اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔ ادھر جام بستر مرگ پر تھا جب منگی شاہ کیچ پہنچا آری جام کی پنوں کی جدائی کی وجہ سے حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ جب منگی شاہ پنوں کے بغیر واپس آیا تو آری جام نے اس سے پنوں کے بارے میں پوچھا میرا پنوں کہاں ہے۔ منگی شاہ چاہنے کے باوجود جھوٹ نہ بول سکا۔ بادشاہ سلامت منگی شاہ نے نگاہیں جھکا لیں شہزادے پنوں نے بھنبھور میں شادی کر لی ہے۔ کیا؟ آری جام کے ساتھ ساتھ پنوں کے تینوں بھائی اور ماں بھی حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ شادی کر لی اس کی رگوں میں شاہی خون نے جوش مارا کس خاندان سے ناطہ جوڑا ہے اس نے منگی شاہ کی جان خشک ہو گئی ہم نے پوچھا ہے وہ خاندان کیسا ہے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی وہ ذات کے دھوبی ہیں سرکار آری جام لرزتا ہوا بستر سے نکل آیا سنو تم تینوں وہ تینوں لپک کر اس کے پاس آ گئے حکم بابا جانی جتنی جلدی ہو سکے اپنے بھائی کیچ کے ولی عہد اور ہمارے پنوں کو واپس لے آؤ اگر سسی راہ میں رکاوٹ بنے تو تمہیں اختیار ہے جیسے چاہو پنوں سے الگ کر دو۔ شہزادوں نے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کر منزلوں پر منزلیں مارتے پتوں کے بھائیوں کو بھنبھور میں پنوں تک پہنچنے میں کوئی وقت نہ لگا پنوں کو دھوبی گھاٹ پر کارندوں کی نگرانی کرتے دیکھ کر اس کے بھائیوں کا خون کھول اٹھا بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے اچانک اس کے بھائی اس کو آ لیں گے چاروں بھائی آپس میں بڑی گرمجوشی سے ملے بابا اور ماں کے بارے میں پوچھتے ہو پنوں کا دل افسردہ ہوا سسی کو پتہ چلا کہ جیٹھ آئے ہیں تو وہ خوفزدہ ہو گئی اسے لگا وہ اس کے پنوں کو اس سے چھین لیں گے مگر ان تینوں نے اپنے چہروں پر مسکراہٹوں کے نقاب ڈال رکھے تھے سسی کے سر پر پیار دے کر انہوں نے ظاہر کیا کہ وہ ان دونوں

کی شادی پر ناراض نہیں ہیں بھائیوں کی آمد پر پنوں نے ضیافت کا اہتمام کیا علاقے کے معتبروں اور عزت داروں کو مدعو کیا چودھری محمد خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے کہ اس کی بیٹی شاہی خاندان کی بہو بنی ہے سسی بہت خوش تھی پنوں اسے دیکھ کر خوش تھا دس بارہ دن پر لگا کر گزر گئے آخر پنوں کے بھائیوں نے واپسی کا ارادہ کیا اور پنوں سے سسی کی عدم موجودگی میں بات چیت شروع کی بڑے بھائی نے اسے پاس بٹھا کر پیار سے کہا اب ارادہ کیا ہے کیسا ارادہ پنوں تاڑ گیا تھا بابا اور ماں سے ملنے نہیں چلو گے کیا اپنے سر پر تاج شاہی رکھو۔ بابا کی خواہش ہے تم ان کی زندگی میں تخت سنبھال لو ہم واپس آ کر سسی کو شاہی انتظام کے ساتھ کیچ لے جائیں گے نہیں پنوں نے صاف انکار کر دیا سسی چلے گی تو ابھی ہمارے ساتھ ورنہ میں بھی نہیں جاؤں گا ٹھیک ہے پنوں اس نے پنوں کا شانہ تھپکا اگر تیری خوشی اسی میں ہے تو ایسے ہی سہی ہم لوٹ جاتے ہیں بھائی پنوں اس سے لپٹ گیا ہمیں اب اجازت ہے نہیں بھائی آج کی رات اور رک جاؤ میں الوداعی دعوت تو دے لوں پنوں نے کہا۔ جیسے تمہاری خوشی مگر اس دعوت میں صرف ہم چاروں بھائی ہوں گے اس میں کسی کو شرکت کی اجازت نہیں ہو گی۔ وہ کیوں پنوں حیران ہو گیا اس لئے کہ یہ دعوت ہم چاروں بھائیوں کی محبت کی یادگار بن کر یادوں میں رہے۔ اس رات جیسی دعوت کا اہتمام کیا گیا اس میں پنوں اور اس کے بھائیوں کیلئے مے موشی کا کھلا انتظام تھا۔ پنوں کے سارے بھائی مے نوش تھے کسی زمانے میں پنوں بھی مے نوش تھا مگر سسی کے خیال سے اسیر ہونے کے بعد اس نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ پنوں کے بڑے بھائی نے شراب کا جام اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ہماری خاطر بھی نہیں پیئے گا آج انکار مت کر لے پی لے بھائیوں کے اصرار پر پنوں نے ایک جام ہونٹوں سے لگایا تو پھر دوسرے اور پھر گنتی بھلا دی چند لمحوں کے بعد پنوں کا سر گھوما۔ آنکھیں بوجھل ہوئیں کہاں چل دیئے پنوں اب آرام کروں گا تینوں سائے

پنوں کے بستر کے پاس تھے بڑی آہستگی سے پنوں کو اٹھایا ہاتھوں سے اور خاموشی سے کمرے سے نکل گئے نیند میں ڈوبی سسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ لٹیرے اس کی دنیا اندھیر کر کے جا چکے لٹ جانے والی سسی جب جاگی تو پنوں کے بھائی اسے گھوڑے پر ڈالے بھنبھور کی حدود سے کوسوں دور جا چکے تھے سسی پاگلوں کی طرح پنوں پنوں پکارتی رہی اس کی ایک ہی رٹ تھی مجھے کیچ جانا ہے اپنے پنوں کے پاس سسی نے خود گھوڑا تیار کیا سفر کا سامان ساتھ لیا اور تھل کے ریگستان میں اتر گئی پنوں کو ہوش آیا تو دن کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا پنوں ساری بات سمجھ گیا یہ ہماری محبت ہے پنوں جنگ اور محبت میں سب جائز ہوتا ہے اگر میں نہ جانا چاہوں تو اسی لئے تمہیں باندھ کر رکھا ہے آپ غلط کر رہے ہیں بھائی میں سسی کے باغ کی وہ خوشبو ہوں جسے تم کسی صورت باندھ کر نہیں رکھ سکتے وہ ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر جب تک وہ سنبھلتے پنوں نے لپک کر منجھلے بھائی کی تلوار اچک لی بھائیوں کے چہرے بگڑ گئے ان تینوں نے اسے گھیر لیا۔ تاہم تلواریں آپس میں الجھیں تو بھی یہ لحاظ دونوں طرف سے رہا کہ کسی ایک کو بھی زخم نہ آئے۔ پنوں نے تینوں بھائیوں کو صرف بیہوش کرنے پر اکتفا کیا خود اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور رخ بھنبھور کی طرف موڑ دیا سسی کا گھوڑا پیاس سے بے حال ہو کر تپتے تھل کی ریت پر گرا اور دم توڑ گیا سسی بگولے اڑاتی ریت میں بمشکل آنکھیں کھول کر پیدل ہی آگے چل پڑی وہ چکراتے غبار میں چند قدم چلتی اور ہوا کے دباؤ سے بے بس ہو کر گر پڑتی اور اس کے لبوں سے پنوں پنوں کی پکار ابل پڑتی مخالف سمت سے آتے طوفان کی پروا کئے بغیر گھوڑا دوڑاتے پنوں کے کانوں میں اچانک پنوں پنوں کی آواز پڑی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا یقیناً یہ سسی ہی ہے پنوں پکارا سسی پنوں کے جواب میں سسی پکاری آواز سن کر بیقراری اور بڑھ گئی پھر تھل کی تپتی ریت اڑاتے غبار اور چکراتے بگولوں نے جیسے ان دونوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی ٹھان لی ایک دوسرے کو

صدائیں دیتے سسی سسی اور پنوں پنوں پکارتے وہ دونوں بالآخر ایک دوسرے تک پہنچ گئے سسی دیوانہ وار اپنے پنوں سے لپٹ گئی سسی میری جان تو یہاں کیوں آ گئی پنوں اسے ریت کے بگولوں سے بچانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا طوفان بڑھتا جا رہا ہے سسی۔ پنوں کی آواز میں ریت بھرتی چلی گئی اب کوئی غم نہیں پنوں بچ نہ سکے تو اکٹھے مرنے کی خوشی تو سمیٹ ہی لی ہم نے۔ پنوں نے ریت سے بھری آنکھیں کھول کر سسی کو دیکھنے کی ناکام کوشش کی اور اسے اپنے سینے میں جذب کر لیا ریت کے طوفانی تھپیڑوں نے انہیں سر سے پاؤں تک زخم زخم کر دیا تھا ایک دوسرے سے لپٹے وہ تھل کے تپتے فرش پر گرے اور ساکت ہو گئے مگر وقت نے سنا کہ آخری لمحات میں بھی سسی کے لبوں پر پنوں اور پنوں کے ہونٹوں پر سسی کا نام تھا اور پھر تھل کی ریت نے انہیں اپنا پاکیزہ کفن اوڑھایا اور اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

ایک کہانی بڑی پرانی

ایک بار کا ذکر ہے کسی گاؤں میں ایک گونگا لڑکا رہتا تھا۔ اسے ساتھ کے گاؤں کی بہری لڑکی سے عشق ہو جاتا ہے۔ دونوں میں بہت پیار ہوتا ہے۔ گونگا جب بھی گانا گاتا بہری اسے سن کر دوڑی چلی آتی۔ گونگے کی آواز میں اتنا درد تھا کہ بہری کے اسے سن کر آنسو نکل آتے۔

بہری کا ایک اندھا چچا ہوتا ہے۔ ایک دن وہ دونوں کو کھیت میں پیار کی باتیں کرتا دیکھ لیتا ہے۔ وہ دوڑتا ہوا بہری کے معذور باپ کے پاس جاتا ہے جس کی ٹانگیں ٹرین کے حادثے میں کٹ چکی ہوتی ہیں جیسے ہی بہری کا باپ یہ سنتا ہے وہ دوڑتا ہوا گھر میں جاتا ہے اور سائیکل نکالتا ہے۔ باہر آ کر موٹر سائیکل سٹارٹ کرتا ہے اور کھیتوں کے پاس جا کر گاڑی روکتا ہے گھوڑے سے اترتا ہے جیسے ہی وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیٹی اور گونگا کھیت میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں وہ غصے میں آ کر خنجر نکالتا ہے اور فائر کر دیتا ہے جیسے ہی وہ فائر کرتا ہے دونوں تیر گونگے کے سینے میں لگتے ہیں۔ گونگا نیزا نکال کر کہتا ہے۔ یہ آخر کس نے کیا۔ گونگے کا خون نکل رہا ہے اور بہری رو رہی ہے اور چیخیں مار رہی ہے۔

کچھ دیر بعد وہاں پولیس موبائل آتی ہے۔ تمام پولیس والے ایمبولینس سے اترتے ہیں گونگے اور بہری کو بس میں ڈال کر ٹرک کے ذریعے بس سٹاپ تک پہنچاتے ہیں وہاں سے ٹرین میں بیٹھ کر ایئر پورٹ تک آتے ہیں۔ وہاں سے پانی کے جہاز میں بیٹھ کر حیدر آباد کے ہسپتال آتے ہیں۔ وہاں انجینئر گونگے کی گولیاں نکال دیتے ہیں اور وہ ٹھیک ہو

جاتا ہے۔

پھر گونگے اور بہری کی شادی ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کا ایک بیٹا ہوتا ہے جو اندھا، گونگا اور بہرا ہوتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں کسی بیماری کی وجہ سے کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ تینوں ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں۔

شیریں فرہاد

فرہاد ایک عام آدمی تھا۔ فرہاد ایک جوشیلا نوجوان تھا جو کہ مجسمہ تراش تھا اور شیریں کے پیار میں پاگل تھا۔ ادھر شیریں کا بھی یہی حال تھا وہ بھی فرہاد کے پیار میں پاگل تھی۔ بادشاہ کو یہ میل ملاپ پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی بیٹی کو منع کرتا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہماری برابری کا ہے لیکن شیریں کہتی تھی کہ مجھے اس سے بہت محبت ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بادشاہ کے سمجھانے کے باوجود بھی وہ باز نہ آئی۔

بادشاہ اسی فکر میں مبتلا تھا کہ اسے ایک ترکیب سوجھی تو اس نے فرہاد کو دربار میں بلایا اور اس سے سوال جواب کرنے لگا کہ تم شیریں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو مگر وہ نہ مانا تو بادشاہ نے سوچا کہ میں ایک ایسی شرط رکھوں گا کہ وہ پوری نہ کر سکے تو اس نے فرہاد کے ساتھ ایک شرط رکھی کہ جاؤ اگر تم شیریں سے اتنا پیار کرتے ہو اس کیلئے پہاڑوں میں سے دودھ کی ندیاں نکالو تو فرہاد نے اسی وقت شرط منظور کر لی تو بادشاہ نے کہا کہ میں شیریں کی شادی تم سے کر دوں گا۔

فرہاد پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا اور ایک سال تک پہاڑ کھودتا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ دودھ کی ندی نکالے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ بادشاہ نے شرط میں بتایا کہ ندی چھ لینسز چوڑائی میں ہو اور تین لینسز گہری ہو اور چالیس میل بھی ہو۔

فرہاد شیریں کے پیار میں اتنا اندھا تھا کہ وہ دن رات ایک کر کے محنت میں لگا رہتا۔ ایک دن اچانک پہاڑ کھودتے ہوئے دودھ کی نہر نکل آئی۔ فرہاد دل میں بڑا خوش

ہوا کہ اب اس کے اور شیریں کے درمیان اتنا فاصلہ نہیں ہے۔ جب ادھر بادشاہ کو پتہ چلا کہ اس نے دودھ کی نہر نکال لی ہے تو بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنی پرانی ملازمہ سے کہلوا بھیجا کہ شیریں اس کے پیار میں انتظار کرتی ہوئی مر گئی ہے۔ جب اس کو یہ پتہ چلا تو اس نے اپنے آپ کو کدال سے کاٹ لیا اور ندی ہی میں گر گیا۔ جب ادھر شیریں کو پتہ چلا کہ بادشاہ نے اس کو غلط پیغام بھیجا ہے تو وہ بھاگتی ہوئی جنگل کی طرف گئی تا کہ فرہاد کو بتائے کہ وہ زندہ ہے مگر جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ فرہاد کا خون کدال پر لگا ہوا ہے تو اس نے اسی کدال سے خود کو کاٹ لیا اور ندی میں گر گئی۔ کہتے ہیں کہ ان کو ایک قبر میں دفنایا گیا۔

آج بھی ان کا پشاور میں مزار ہے جو لوگ دیکھنے کیلئے جاتے ہیں۔ یہ پیار بھری کہانی دردناک بھی ہے۔ دنیا کے بنائے ہوئے رواج اور اصول پیار کرنے والوں کیلئے دیوار بن جاتے ہیں۔

انور سعید
مانچسٹر

لیلیٰ مجنوں

شائستہ نواز

مشہور کہانی لیلیٰ مجنوں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ سچے پیار کی ہے۔ ابھی تک لوگ انہیں لیلیٰ مجنوں کے نام سے یاد کرتے ہیں جن کی قسمت میں جدائی لکھی گئی تھی۔ وہ دو الگ انسان تھے لیکن ان کی روح ایک تھی۔ یہ سچے انسانوں کے سچے پیار کی کہانی ہے۔

ایک جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے بچوں کی کہانی ہے جن کو بچپن میں ہی ایک دوسرے سے لگاؤ تھا۔ ایک لڑکا جس کا نام قیس تھا جو جنوبی عرب میں پیدا ہوا۔ یہ ساتویں صدی کی بات ہے۔ لیلیٰ ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی جو بہت ہی امیر گھرانے میں پیدا ہوئی اور کسی شہزادی سے کم نہ تھی جس کی کسی امیر گھرانے میں شادی کی امید کی جاتی تھی جہاں وہ شاہانہ زندگی گزارتی لیکن پیار تو دلوں میں پیدا ہوتا ہے جس پر کسی کا کوئی زور نہیں جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ لیلیٰ کو قیس سے پیار ہو جاتا ہے اور قیس بھی اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔

قیس ایک شاعر تھا جو لیلیٰ کے ہی قبیلے کا تھا۔ وہ لیلیٰ کے عشق ہی میں شاعر تھا۔ وہ لیلیٰ کیلئے اشعار لکھتا اور ان شعروں کو لیلیٰ کی نظر کر دیتا۔ وہ اکثر شعروں میں لیلیٰ کا نام تک لے کر گنگناتا۔ قیس عرف مجنوں کو یہ شعر و شاعری لیلیٰ سے محبت کے بعد شروع ہوئی۔ اس کے دوست اس کا مذاق اڑاتے لیکن مجنوں کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ اکثر لیلیٰ کے

خیالوں میں کھویا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے سوچا کہ وہ لیلیٰ کے ساتھ رشتے میں بندھ جائے۔ وہ لیلیٰ کے والد کے پاس جاتا ہے اور رشتہ مانگتا ہے لیکن وہ اسے منع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کو بہت بڑے امیر کبیر گھرانے میں بیاہوں گا اور وہ قیس جیسے غریب سے اس کا رشتہ نہ کرے گا۔ لیلیٰ اور مجنوں ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے اور صرف دیکھ کر ہی جیتے تھے۔ لیکن قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا تھا دو پیار کرنے والوں کو ایک دوسرے سے ملنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ادھر لیلیٰ مجنوں کو دیکھنے کیلئے تڑپتی اور مجنوں تو دیوانہ ہو گیا لیلیٰ کے پیار میں جب اسے پتہ چلا کہ لیلیٰ کی شادی کسی بہت ہی امیر شخص سے کر دی گئی ہے۔ لوگ قیس پر پتھر مارتے اور اسے مجنوں پکارتے۔ ادھر لیلیٰ ایک عظیم الشان مکان میں رہنے چلی گئی۔

وہ شادی کیلئے اس وقت راضی ہوئی تھی جب اس کے بھائی تبریز نے اسے بتایا کہ وہ دیکھو لوگ مجنوں پر پتھر مار رہے ہیں اور وہ ایسے ہی مجنوں کو مار ڈالیں گے لیلیٰ بے چاری کیا کرتی وہ شادی کیلئے رضامند ہو گئی۔ جب مجنوں کو لیلیٰ کی شادی کا پتہ چلتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے وہ ایک قافلے کے ساتھ چل پڑتا ہے اور لیلیٰ لیلیٰ پکارتے ہوئے وہ صحرا میں بھٹک جاتا ہے۔ اسے نہ کھانے کا ہوش رہتا ہے نہ پینے کا۔ اس کے خاندان والے اسے بہت ڈھونڈتے ہیں آخر وہ ناامید ہو جاتے ہیں۔ قیس لیلیٰ لیلیٰ ریت پر لکھتا اور مٹاتا۔ ایک لکڑی کی مدد سے وہ شعر ریت پر لکھتا رہتا۔ لیلیٰ لیلیٰ بس اس کی زبان پر رہتا۔ وہ سوکھ سوکھ کر کانٹا بن جاتا ہے اور ہر وقت لیلیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے۔

ادھر لیلیٰ کا بھی برا حال تھا مجنوں سے بچھڑ کر وہ ایک زندہ لاش بن گئی تھی وہ دماغی اور جسمانی طور پر ٹوٹ کر رہ گئی تھی روح تک جیسے بچھڑ گئی تھی لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لیلیٰ اپنے شوہر کے ساتھ عراق چلی جاتی ہے اور اس بیماری کی حالت میں وہ موت کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ جب قیس کے دوستوں کو پتہ چلتا ہے کہ لیلیٰ مر گئی ہے وہ مجنوں کو ڈھونڈنے نکل پڑتے ہیں کہ اسے خبر دی جائے کہ لیلیٰ اس دنیا میں نہیں رہی لیکن انہیں

مجنوں کا کہیں سے پتہ نہیں چلتا۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ انہیں قیس مردہ حالت میں لیلیٰ کی قبر کے پاس مل جاتا ہے اور ایک پتھر پر یہ شعر لکھا ملتا ہے۔ یہ تین سطور

قیس دیوانہ ہو جاتا ہے اس کے پیار میں
اس لئے مجنوں پکارا جاتا ہے یعنی لیلیٰ کا مجنوں
جسے دیوانہ بنایا لیلیٰ نے

یہ تھی دو سچے پیار کرنے والوں کی کہانی جس میں صرف پیار ہی پیار تھا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی جیتے تھے۔ مرنے کے بعد ان کی روحیں تو مل گئی ہیں لیکن جیتے جی اس دنیا نے ملنے نہ دیا۔ ان کا پیار ہمیشہ کیلئے زندہ رہے گا اور لوگ ان کی اس داستان کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

اور یاد رکھیں گے ان کے نام لیلیٰ مجنوں۔

حمزہ نثار

ہیر رانجھا

طاہرہ فرزانہ

یہ ایک بہت پرانا اور سچا واقعہ ہے۔ ہیر رانجھا یہ دونوں سچے عاشق تھے۔ ہیر گاؤں سیال کی رہنے والی ایک امیر خاندان کی ایک ہی بیٹی تھی جو بہت لاڈلی اور نازوں سے پل رہی تھی گھر میں کام کاج کرنے والے نوکر چاکر موجود تھے۔ سارا سارا دن سہیلیوں کے ساتھ باہر اور باغ میں گزر جاتا۔ ہیر کا باپ بہت بڑا زمیں دار تھا بہت سارے مال مویشی رکھے ہوئے تھے جن کی دیکھ بھال کیلئے ایک ملازم بھی تھا جو گھر کا بھی خیال رکھتا تھا اور بھینسوں کا دودھ نکالتا تھا انہیں چارہ وغیرہ ڈالتا پانی پلاتا۔ جس کا نام رانجھا تھا۔ رانجھا ساتھ ہی ایک گاؤں تخت ہزارہ کا رہنے والا تھا اور ٹھیک ٹھاک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا بھائیوں میں چھوٹا اور لاڈلا تھا بس اپنے بھائیوں سے چھوٹی سی ان بن ہوگئی اور گھر چھوڑ کر چلا آیا اور ہیر کے باپ سے ملاقات ہوئی اور ان کے گھر بحیثیت ملازم رہنے لگا۔ ہیر اور رانجھا میں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آپس میں آہستہ آہستہ تعلق بڑھتا گیا اور پتہ بھی نہیں چلا کہ کب انہیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی اور یہ محبت اس حد تک بڑھ گئی کہ پیچھے ہٹنا مشکل ہوگیا۔

مگر پیار کرنے والوں کے دشمن بھی بہت ہوتے ہیں کبھی بھی دو دلوں کو ملنے نہیں دیتے سو اسی طرح ہیر کا بھی ایک چاچا تھا جو ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا وہ دل کا سخت منافق تھا اس کو سب چاچا قیدو کہتے تھے۔ وہ ہر وقت ہیر کی ماں اور باپ کو رانجھے کے خلاف فضول باتیں سیکھاتا رہتا اور بھڑکاتا۔ ہیر نے رانجھے کو کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لائیں

اور میرا ہاتھ مانگیں ورنہ چاچا میرا رشتہ کہیں اور کروادے گا اور آپ دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ رانجھے نے ایسا ہی کیا اور اپنے بھائیوں کو راضی کیا مگر اتنی دیر میں ہیر کے چاچے نے اپنے بھائی کو سمجھا بجھا کر ہیر کی شادی ساتھ والے گاؤں میں ایک سہدے نام کے آدمی سے کر دی جو کہ ہیر کے بغیر پوچھے کی گئی۔ ہیر نے بہت شور مچایا روئی مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ ہیر بھی دھن کی پکی تھی اور عشق سچا ہو تو مرنے سے بھی نہیں ڈرتا لہٰذا ہیر نے بھی ایسا ہی کیا اور سہدے کو چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر آ گئی اور یہ کہہ دیا کہ میں رانجھے کے بغیر زہر کھالوں گی مگر کسی اور کا نام نہیں لوں گی۔ ہیر ماں باپ کی ایک ہی لاڈلی اور نازوں پالی بیٹی تھی انہوں نے چاچے قیدو کو بتائے بغیر ہیر کا رشتہ رانجھے کو دے دیا اور کہا جا کر اپنی بارات لے کر آؤ اور ہیر کو لے جاؤ۔ رانجھا خوشی خوشی گیا اور شادی کی تیاری کی اور آخر ایک دن آ گیا جب رانجھا بارات لے کر آیا۔ چاچے قیدو کو یہ شکست کبھی بھی پسند نہیں تھی اس نے ایک شیطانی سکیم سوچی اور چلا دی۔ بارات ابھی راستے میں ہی تھی کہ چاچے نے شور مچا دیا کہ رانجھے کا حادثہ ہو گیا ہے اور رانجھا مر گیا ہے شور مچ گیا۔ عشق کرنے والے پاگل ہوتے ہیں اسی طرح ہیر نے کیا اور فوراً زہر کھالیا اور چند ہی منٹوں میں ہیر مر گئی اور شور مچا ہیر نے زہر کھالیا اور جان دے دی ہے۔ یہ خبر چاچے قیدو نے بارات والوں کو بھیج دی کہ ہیر نے زہر کھالیا ہے۔ رانجھے نے جب یہ سنا تو اس نے بھی خودکشی کر لی اور مر گیا تو اس طرح دو محبت کرنے والے ایک ہی دن جان دے گئے اور اب بھی دونوں کی قبریں ایک ہی جگہ ہیں۔ لوگ مائی ہیر کے نام سے پکارتے ہیں اور ان کے مزار پر جاتے ہیں۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدو نی مینوں رانجھا جوگی ہیر نہ آکھو کوئی

سوہنی مہینوال

شگفتہ جبین

میں پاکستان کے شہر لاہور میں 1957ء میں پیدا ہوئی۔ جب میں پانچ سال کی ہوئی تو ہم گجرات منتقل ہو گئے۔ گجرات میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ کالج ختم ہوا تو شادی ہو گئی۔ شادی ارینجڈ تھی اور میرے شوہر پہلے ہی انگلینڈ میں رہتے تھے پھر ویزہ لگوایا اور ایک سال بعد میں بھی انگلینڈ آ گئی۔ سفر بہت اچھا گزرا۔ شوق تھا کہ نیا ملک دیکھوں گی وہاں کے لوگ وہاں پھر سیر و سیاحت کروں گی۔ پہلے تو ہم لوگ اولڈہم میں رہے پھر کچھ عرصہ بعد راچڈیل آ گئے کیونکہ یہاں میری چھوٹی بہن رہتی تھی اس لئے سوچا ایک شہر میں اکٹھے رہیں گے۔ ہر دو سال بعد پاکستان کا چکر لگتا تھا والدین اور سسرال دونوں کے یہاں جاتے خوب مزے کرتے مجھے یاد ہے کہ ہمارے گجرات کی مشہور کہانی سوہنی اور مہینوال تھی۔ سوہنی ایک کمہار کی بیٹی تھی اور مٹی کے برتن بناتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شہزادہ جو مہینوال کے نام سے مشہور تھا وہ ان کی دکان کے پاس سے گزرا اور سوہنی کی خوبصورتی دیکھ کر کھو گیا۔ دیکھتا رہا پھر کچھ برتن خریدے اور چلا گیا دوسرے دن پھر آیا کچھ دیر دیکھتا رہا برتن خریدے اور چلا گیا۔ اس طرح وہ دس دن لگاتار آتا جاتا رہا اور برتن خریدتا رہا اس طرح ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے ان کو پیار ہو گیا پھر ملاقاتیں شروع ہوئیں تو سوہنی بے چین رہنے لگی اور مہینوال کو ملنے کیلئے دریا کی دوسری طرف گھڑے پر تیر کر جایا کرتی تھی۔ مہینوال دوسرے کنارے مچھلیاں پکڑ کر پکا کر رکھتا تھا، دونوں دیر تک باتیں کرتے

کھا پی کر واپس سوہنی گھڑے پر اپنے گھر آ جاتی۔ ایک دفعہ مہینوال کو مچھلی نہ ملی تو اس نے اپنی ٹانگ کاٹ کر مچھلی کا گوشت نکال کر پکایا اتنا عشق تھا۔ آخر ایک دن سوہنی کے گھر والوں کو پتہ چل گیا اس کی بھابی نے اس کا گھڑا بدل دیا کچا گھڑا رکھ دیا۔ جب سوہنی ملنے گئی تو چناب کے درمیان میں گھڑا ٹوٹ گیا اور وہ ڈوبنے لگی جب مہینوال نے دیکھا تو اس نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی جب اس کے پاس پہنچا تو وہ ڈوب گئی تھی اس نے اس کو پکڑا مگر بچا نہ سکا اور ساتھ ہی وہ بھی ڈوب گیا دونوں اکٹھے ہی دنیا سے چلے گئے۔

میری کہانی میری اپنی زبانی۔ میری کہانی کا نام ہے واہ رے بھولے

پروین اختر

میں جو بھی لکھوں گی سننے میں مذاق لگے گا لیکن بالکل حقیقت پر مبنی ہے میری عمر سترہ سال کی تھی جب میری شادی ہوئی اور میں 1977ء میں انگلینڈ آئی۔ آتی دفعہ میرے ابا مرحوم نے کہا تم پرائے ملک میں جا رہی ہو تمہارے لئے وہاں سب کچھ اجنبی ہوگا تو میری نصیحت یاد رکھنا جو تمہارا میاں کہے وہی کرنا۔ اس زمانے میں فلائٹ لاہور سے لندن اور پھر مانچسٹر آتی تھی۔ راچڈیل تک سفر بہت لمبا ہو جاتا تھا۔ مجھے جہاز کا صرف یہی یاد ہے کہ میں نے جہاز کا کوئی نوٹس نہیں لیا کیونکہ جہاز میں بیٹھتے ہی مجھے متلی ہونے لگی تھی۔

خدا خدا کر کے گھر پہنچے سب سے پہلے میں نے یہی پوچھا کہ مجھے ٹی وی دکھائیں اور چارپائی دیں میں نے سونا ہے تو میرا دیور کہنے لگا یہاں پر چارپائیاں نہیں ہوتیں۔ آپ کا بیڈروم اوپر ہے اوپر چلی جائیں۔ میں اوپر جاتے جاتے سوچتی رہی کہ صبح گھر دیکھوں گی۔ جب صبح اٹھ کر نیچے آئی تو سیڑھیاں کچن میں جاتی تھیں میں کچن سے دوسرے کمرے میں گئی تو گھر ختم ہو گیا۔ یہ تھا انگلینڈ کا گھر۔

دوپہر کا وقت ہوا تو ہمارے پڑوس میں ایک طرف گورا گوری اور دوسری سائیڈ پر

کراچی کی فیملی رہتی تھی۔ گوری ملنے کیلئے آئی تو میرے میاں کو پوچھتی ہے کہ اس کو انگلش آتی ہے تو میرے میاں مجھے کہنے لگے کہ اس کو انگلش میں گنتی سناؤ تو میں نے ون سے ٹونٹی تک سنائی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد کراچی کی فیملی تھی۔ وہ ملنے آئے گپ شپ ہوئی اور ان سے آج تک ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔ ان کے جانے کے بعد میرے میاں نے پلیٹ میں برفی اور ڈرائی فروٹ ڈال کر دیا اور کہا کہ ان کے گھر دے آؤ اور پلیٹ لیتی آنا۔ جب میں دینے گئی تو انہوں نے کہا کہ پلیٹ ہم پہنچا دیں گے۔ میں نے کہا نہیں بھائی میاں نے کہا ہے کہ پلیٹ واپس لے کر آنا تو میں پلیٹ لے کر جاؤں گی۔ یہ بات اب تک میرا مذاق بنی ہوئی ہے۔ میرے دماغ میں تھا کہ ابا کی نصیحت ہے کہ جو تمہارا میاں کہے گا اسی طرح کرنا۔

اس کے بعد میرے میاں کو فیکٹری سے چھٹیاں ہو گئیں تو میرے میاں اور ان کے دوست جن کی بیوی بھی نئی نئی آئی ہوئی تھی پروگرام بنایا کہ ایک ہفتے کیلئے ویلز چلتے ہیں اور وہاں بیڈ اور بریک فاسٹ میں رہیں گے۔ میری جانے بلا کہ بیڈ اور بریک فاسٹ کیا ہوتا ہے۔

سب سے پہلے ہم سوانزی SWANSEA گئے جب پانی کے کنارے گئے تو دیکھا کہ ننگی گوریاں دھوپ میں لیٹی ہوئی تھیں میرے لئے تو یہ بہت عجیب بات تھی۔ پھر آگے دکان پر لکھا ہوا تھا HOT DOGS۔ میں انگلش پڑھ لیتی تھی میں نے اپنے میاں سے کہا کہ کیسے لوگ ہیں گرم گرم کتے کھاتے ہیں تو میرے میاں کہنے لگے چپ ہو جاؤ اب نہ کہنا۔ اس کے بعد ہم کارڈف گئے جس بیڈ اینڈ بریک فاسٹ میں رہے تو اس کا مالک میرے میاں کو کہنے لگا اپنی وائف میری وائف سے بدلنی ہے مجھے سمجھ نہیں آئی میں نے میاں سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے تو جب انہوں نے مجھے بتایا تو میں فوراً بول اٹھی نہیں نہیں میرے ابا نے کہا ہے کہ اپنے میاں کے ساتھ ہی رہنا۔

اب میں مختصر کرتی ہوں جب واپس آئے تو میرے میاں نے کہا کہ یہ ملک آزاد

ہے جو مرضی کھاؤ پیو لیکن اپنا دھیان رکھنا پھر انہوں نے مجھے ٹاؤن کا راستہ دیکھا دیا کہ دن میں ٹاؤن چلی جایا کرو۔ ہمارا گھر Whitworth روڈ پر ہے اور آج تک وہاں ہی ہے لیکن یہ بڑا ہے۔ میں نے یاد کر لیا ہے کہ سٹریٹ کے آخر میں ایک چرچ ہے اس کا حساب رکھ لیا ہے اس کے سبز جنگلے تھے جب سبز جنگلے آتے تو میں ٹاؤن کو مڑ جاتی۔ جب چلتی تو دیکھتی رہتی کہ سبز جنگلے دیکھائی دے رہے ہیں جب سبز جنگلے دیکھائی دینا بند ہو جاتے تو واپس مڑ آتی۔

آنکھوں دیکھی سچی کہانی

فوزیہ سردار

یہ ہمارے شہر کی ایک سچی کہانی ہے لڑکی ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور لڑکا ایک غریب گھرانے کا تھا۔ ان کو ایک دوسرے سے پیار ہو گیا اور وہ آہستہ آہستہ ملاقاتیں کرنے لگے جب لڑکی کے گھر والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے اس پر پابندی لگا دی اور باہر جانے سے منع کر دیا کیونکہ وہ اپنے بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور بہت نازوں سے پلی تھی۔ اس کے بھائیوں کیلئے بہت شرمندگی کی بات تھی اور انہوں نے باہر جانا بند کر دیا کیونکہ لوگ بہت باتیں کرتے تھے جب لڑکے کو پتہ چلا تو انہوں نے موبائل کے ذریعے ایک دوسرے سے باتیں کرنا شروع کر دیں تو انہوں نے سوچا کہ یہ ہمیں ملنے نہیں دیں گے اور نہ ہی ہماری شادی کیلئے راضی ہوں گے تو ہم بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم دو دن بعد سٹیشن پر ملیں گے تو وہاں سے ایک دوست کے گھر چلے جائیں گے وہ دو دن بعد گھر سے بھاگ گئے جب لڑکی کے گھر والوں کو پتہ چلا تو اس کے بھائی آگ بگولا ہو گئے اور بندوقیں لے کر لڑکے کے گھر پہنچے تا کہ اس کو قتل کر دیں۔ گھر کی تلاش پر لڑکا گھر میں نہیں تھا لڑکے کے گھر والے بڑے پریشان ہو گئے کہ اب کیا ہو گا انہوں نے اس کے دوستوں کے ساتھ رابطہ کیا کہ ان کے بیٹے کی خبر کریں کہ لڑکی کے بھائی بہت غصے میں ہیں۔ لڑکا اور لڑکی شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلے گئے اور کسی سے کوئی رابطہ نہ رکھا تا کہ تھوڑے مہینوں میں بات ٹھنڈی ہو جائے تو پھر گھر والوں سے

رابطہ کریں۔

لڑکی کے ماں باپ اور بھائیوں نے اس کو جائیداد سے عاق کر دیا اور نہ ہی اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ وہ زندہ ہے یا مرگئی ہے۔ دنیا کی طعنہ بازی کی وجہ سے اور اپنی عزت بچانے کیلئے اس سے سارے رشتے توڑ دیئے اور ساری زندگی اس سے نہ ملے۔ لڑکا اور لڑکی دونوں نے نکاح کر لیا کیونکہ لڑکے کے دوستوں نے سمجھا کہ اس طرح رہنا ٹھیک نہیں ہے بہتر ہے کہ تم نکاح کر لو اور ایک دوسرے کے ساتھ رہو۔ شادی کے کافی دیر بعد لڑکے نے اپنے گھر والوں سے فون پر رابطہ کیا تو لڑکے والوں نے اسے معاف کر دیا اس کے ماں باپ نے کہا کہ جہاں رہو خوش رہو اور اپنا دھیان رکھو آج بھی وہ اپنے گھر میں خوش ہیں اور خوشی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

رخشندہ اسلم

میں حاصل پور پنجاب میں پیدا ہوئی۔ مجھے میرے میاں نے شادی کے بعد بلایا۔ میرا سفر اچھا تھا۔ راجڈیل ہی میں ان کی فیملی رہتی تھی۔ شادی سے پہلے ایک طرفہ پھر دو طرف محبت ہوگئی۔

جس دل اندر عشق سمایا، اوس نئیں فر جانا
توڑ سوہنے ملن ہزاراں، نئیں یاد وٹانا

چاہے فکشن ہو یا نان فکشن مجھے ایسی کہانیاں اچھی لگتی ہیں جو یہ بتائیں کہ محبت ہوگئی شادی ہوگئی ساری عمر نبھائی جائیں۔ حالات جیسے بھی ہوں محبتیں توڑ چڑھیں پھر کیکر پر بھی پھول اُگ آتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ منزلوں پہ قدم نہیں دل پہنچتے ہیں محبتیں کریں انجام کچھ بھی ہو سنا ہے اچھوں کے ساتھ اچھا ہوتا ہے۔

میں مختصراً کہانی لکھوں گی۔ علامہ اقبال کے بیٹے جاوید اقبال کی محبت کی شادی ناصرہ جاوید سے ہوئی۔ وہ ان سے پندرہ سال چھوٹی ہے پہلی نظر کی محبت اس محبت کو انہوں نے ساری زندگی پہ حاوی کرلیا پھر آرام سکون اور مزے کی زندگی جی۔ وہ مٹی ہی کیا جو اپنی مٹی سے وفا نہ کرے۔ ایسی کہانیاں برسوں بعد بھی اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ایسی ہی ایک کہانی صوفی شاعر میاں محمد بخش کی تصنیف سیف الملوک جسے سفر عشق کہتے ہیں۔

لکھ ہزار بہار حسن دی خاکو وچ سمانی
لا پریت اجیہی محمد جگ وچ رہے کہانی

منزل منزل ہے پہنچنا ضروری نہیں الفاظ جادو نہیں کردار جادو ہوتا ہے۔ پھر بے نام کہانیاں نام پیدا کرتی ہیں۔ کردار پاک ہو کہانی پاک ہوتی ہے۔

تصویر بیگم

میں 1960ء میں پیدا ہوئی۔ مجھے میرے خاوند نے بلایا تھا اور مجھے میرے انکل ساتھ لے کر آئے تھے۔ میرے خاوند کی ساری فیملی راچڈیل میں رہتی تھی۔ میری شادی گھر والوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔

مجھے مرزا صاحباں یاد ہے۔

☆☆☆

میں خانپور پنجاب میں پیدا ہوئی۔ شادی کے بعد انگلینڈ آئی۔ جب میں پہلی مرتبہ یہاں آئی تو بہت مزہ آیا تھا کیونکہ میں نے اپنے خاوند کے پاس آنا تھا۔ راچڈیل اس لئے آئی تھی کیونکہ میرے خاوند ادھر رہتے تھے انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ والدین نے شادی کی تھی۔

محبت کی داستانیں میرے خیال میں سچی اور جھوٹی بھی ہیں۔ فلمیں اور ڈرامے دیکھے ہیں۔ پڑھا نہیں ہے۔

☆☆☆

میں منگ آزاد کشمیر میں پیدا ہوئی تھی۔ شادی کے بعد اپنے خاوند کے ساتھ آئی تھی۔ سفر اپنے وطن کو چھوڑتے ہوئے روتے روتے ہوئے اور پریشان گزرا تھا۔ میرے خاوند راچڈیل میں رہتے تھے اس لئے راچڈیل آئی تھی۔ اب 29 سال ہو گئے ہیں۔ شادی والدین کی پسند سے ہوئی تھی۔

میں نے اپنی والدہ اور بھابھی سے انارکلی اور سلیم کے بارے میں کہانی سنی تھی اس کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے کہ سچ ہے کہ جھوٹ۔

☆☆☆

میں ساہیوال پنجاب میں پیدا ہوئی تھی۔ میرا سفر بور تھا اور مجھے قے آ رہی تھی عجیب وغریب لوگ سفر کر رہے تھے۔ میں راچڈل اس لئے آئی کیونکہ میرے والد صاحب پہلے یہاں آئے تھے۔ ہماری فیملی کو والد صاحب نے بلوایا تھا اور میرے بعد میرے کزن کو پاکستان سے بلوایا تھا شادی کرنے کیلئے۔ میرے والدین نے اپنی پسند سے شادی کی تھی۔

ہمارے گھر میں فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ہم نے گھر میں لیلیٰ مجنوں دیکھی تھی اور وہ لوسٹوری تھی اور میرے خیال میں دونوں طرف سے محبت ہو تو وہ سچی کہانی تھی۔ میرے خیال میں یہ سچی محبت کی کہانیاں ہیں جیسے لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال۔

☆☆☆

میں گلاسگو سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوئی تھی اور پندرہ سال پہلے خاوند اور چار بچوں کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ سفر میں بہت مزہ آیا۔ پہلے میں اکیلی آئی تھی۔ میں پہلے کارڈف آئی پھر لندن اور اس کے بعد راچڈیل آئی تھی۔ والدین نے اپنی مرضی سے میرے کزن کے ساتھ شادی کی تھی اور میں بچپن میں ادھر رہتی تھی بعد میں پاکستان چلی گئی اور شادی بھی ادھر ہوئی۔ چار بچے ہو گئے اس کے بعد ادھر آئی تھی۔

میں نے ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال ان کے بارے میں اپنی والدہ سے سنا اور بعد میں فلموں ڈراموں میں دیکھا تھا اور میرے خیال میں یہ سچی کہانیاں ہیں اور میں نے ہیر رانجھا کے بارے میں کہانی اپنی تائی سے سنی تھی۔

☆☆☆

میں سرگودھا پاکستان میں پیدا ہوئی۔ 2010ء میں ادھر آئی شادی کے بعد۔ سفر اچھا تھا۔ میری شادی والدین نے کی تھی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال یہ کہانیاں سچی ہیں۔

☆☆☆

میرا نام مسز اکرم ہے میں فیصل آباد پاکستان میں پیدا ہوئی۔ بیس سال پہلے راچڈیل شادی ہو کے آئی تھی۔ میری شادی والدین نے کی تھی۔ بچپن میں محبت کی سچی کہانیاں ہم سنا کرتے تھے جو آج بھی ہمارے دل و دماغ میں ہیں۔

☆☆☆

میرا نام رضیہ علی ہے لاہور میں پیدا ہوئی تھی اور میری شادی میرے کزن سے ہوئی جو انگلینڈ سے آئے تھے ہماری بچپن ہی سے چاہت تھی اور ایک طرح سے یہ محبت کی شادی تھی۔ گھر والے رضا مند تھے۔ ہیر رانجھا اور لیلیٰ مجنوں یہ کہانیاں بچپن میں سنی تھیں۔

☆☆☆

میرا نام محمودہ کریم ہے میں انڈیا میں پیدا ہوئی اور شادی کے بعد راچڈیل آ گئی۔ میری شادی والدین کی مرضی سے ہوئی تھی۔ مجھے شیریں فرہاد کی کہانی یاد ہے اور انارکلی کی بھی جس پر فلمیں بھی بنی ہیں۔

☆☆☆

میں پشاور پاکستان میں پیدا ہوئی۔ میں سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ سفر ٹھیک تھا میں تو بہت چھوٹی تھی۔ اس وقت میرے والد راچڈیل میں رہتے تھے۔ میری شادی والدین نے کی تھی۔

مجھے پرانے گانے یاد ہیں جن میں ہیر رانجھا کے مشہور تھے۔ ہیر رانجھا سچی کہانی تھی اور میں نے دیکھی تھی جس میں ایک لڑکا اور لڑکی محبت کرنے لگتے ہیں لیکن گھر کے کچھ افراد اس بات سے خوش نہیں تھے اس لئے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور آخر میں انہیں زہر سے مار دیا گیا۔

محمد کمال

میں 1946ء کو کمال پور (ہوشیار پور، انڈیا) میں پیدا ہوا۔ 1947ء سکھوں اور ہندوؤں کے حملے میں (جو کہ تقسیم پاکستان کے وقت شروع ہوئے تھے) میرے والد صاحب شہید ہو گئے۔ اور ہوشیار پور سے ٹرین کے اوپر بیٹھ کر ہم لاہور آ گئے۔ وہاں سے لائل پور آئے جہاں سمندری جو کہ لائل پور سے 22/23 میل ہے آ گئے اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ وہاں چک نمبر 217 گ ب میں دو سال تک رہے۔ ہمارے خاندان کی زمین جو کہ انڈیا میں تھی وہ کمالیہ ٹرانسفر ہوئی تھی۔ اس لئے ہم سب کمالیہ جا کر آباد ہو گئے۔ 1951ء میں برطانیہ آیا۔

ایک ربڑ فیکٹری تھی وہاں کام مل گیا۔ وہاں ڈیڑھ سال تک کام کیا، تنخواہ بھی زیادہ تھی اس لئے ایک اور مکان خرید لیا۔ اس کے بعد (GMT) گریٹر مانچسٹر ٹرانسپورٹ میں ڈرائیور کی جاب مل گئی۔ وہ نوکری دل کو اچھی بھی لگی اور راستوں سے واقفیت، مختلف لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں، مختصراً وہاں 26 سال کام کیا اور وہیں سے 45 سال کی عمر میں ریٹائرمنٹ مل گئی۔

میرے خیال میں انگلینڈ میں جتنی مذہبی آزادی، یا انسان آزاد اور خود مختار ہے اگر ہم لوگ پاکستان میں ہوتے تو وہاں کے حالات جو کہ ہماری نظر کے سامنے ہیں، ان سب چیزوں سے محروم رہتے۔

وہاں پر ماں کے پاس رہ کر شائد میں اتنا نہ کچھ کر سکتا تھا جتنا الحمد للہ انگلینڈ میں رہ

کر کیا ہے۔ یہاں پردیس ضرور ہے۔ یہاں پر ماں باپ کا احساس، بھائی بہنوں کی محبت کا احساس ہوتا ہے اور انسان محنت کر کے ان کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتا ہے۔ میں نے بھی ماں، بھائی بہنوں کی خوب خدمت کی۔ اپنے عزیز و اقارب کی خدمت کرتا رہا ہوں اور اپنی بساط کے مطابق کرتا رہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں پاکستان میں ہوتا تو نہ کر پاتا۔ بچپن میں سسی پنوں اور ہیر رانجھا کی کہانی سنتے تھے۔

میں بہت مطمئن ہوں کہ ویسے تو مسلمانوں کیلئے یہ بھی حکم ہے کہ جس جگہ بھی بسیرا ہو جائے وہی زمین اس کا وطن ہے۔ میں پاکستان سے بہت محبت کرتا ہوں کہ وہ میری پہچان ہے اور انگلینڈ سے بھی مطمئن ہوں۔

صغیر احمد

میں 1938ء میں کگھمہ ضلع آزاد کشمیر میں پیدا ہوا۔ پرائمری تعلیم گاؤں میں، مڈل جاتلان ٹاؤن اور سیکنڈری میر پور آزاد کشمیر سے حاصل کی۔ 1962ء کراچی یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ تعلیم کے بعد محکمہ جنگلات میں ملازمت کی۔ اچھی ملازمت تھی۔ وہاں گورے بھی آتے تھے اور ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ اسی شوق کی خاطر 1963ء میں انگلینڈ کا پروگرام بنا لیا۔ ہیتھرو ایئر پورٹ ان دنوں سیمی اوپن تھا۔ امیگریشن کے بعد لوٹن جہاں چند دوست رہتے تھے وہاں آ گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہاں پلاسٹک فیکٹری میں کام مل گیا۔ لیکن کاروبار ذہن میں تھا اس لئے ساتھ ساتھ چھوٹا چھوٹا کام بھی شروع کر دیا۔ کپڑے یا دوسری چیزیں ہول سیل سے خرید کر مختلف شہروں میں بیچا کرتا تھا۔ 1966ء میں شادی ہوگئی۔ 1969ء میں بریڈفورڈ میں Grocery کی دکان شروع کی، اس کے ساتھ ساتھ مانچسٹر، اولڈہم آیا کرتا تھا اور اندازہ لگاتا رہتا تھا کہ کیا اور کیا جائے۔ اگر کسی کام میں جنون ہو اور محنت بھی، صحیح نیت سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ انسان کیلئے بہتر سے بہتر راستہ بنا دیتا ہے۔ 6 سال تک بریڈفورڈ میں دکان کی۔ 1975ء میں دکان چھوڑ کر فرنیچر کا کام شروع کیا اور آج تک یہی کام کر رہے ہیں۔ گزارہ بہت اچھے طریقے سے ہو رہا ہے الحمدللہ۔

میں اپنے تجربے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر بچوں کو اچھی تربیت دی جائے تو اولاد ٹھیک نکلتی ہے خواہ آپ کسی بھی ماحول میں کیوں نہ ہوں اور آنے والی نسلوں کیلئے مستقبل

روشن بھی ہے کیونکہ یہاں پر وسائل میں جو کچھ حکومت آپ کو دیتی ہے یعنی ڈاکٹر، علاج، بے روزگاری الاؤنس اور محکمہ تعلیم سے اگر آپ کے بچے قابل ہوں تو آپ یونیورسٹی تک تعلیم بغیر کسی مشکل سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر تعلیم ہو گی تو ملازمت کے مواقع موجود ہیں۔

ہماری نسل کی تباہی کی ذمہ داری کے متعلق میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر باپ بیٹے کا دوست اور ماں بیٹی کی سہیلی نہیں بنے گی اور اولاد خراب ہو گی۔ میں اپنی اولاد سے مطمئن ہوں۔ بچپن میں ہیر رانجھا اور سیف الملوک سنتے تھے۔

شبیر علی خان

دلی انڈیا میں 1933ء میں پیدا ہوئے۔ 1946ء میں لاہور آ گئے اور والد صاحب بڑھئی کا کام کرتے تھے پھر تعلیم اسلامیہ ہائی سکول لاہور سے حاصل کی۔ 1958ء میں مارشل لاء کے دور میں کاروبار بہت متاثر ہوئے تھے اس لئے یہ سوچا کہ کسی دوسرے ملک میں جا کر قسمت آزمائیں۔ 1965ء میں انگلینڈ آ گئے۔ وہاں ٹیکسٹائل اور فونڈریز میں دو سال تک کام کیا پھر لندن چلے گئے۔ 1968ء میں پاکستان گئے اور وہاں بیوی بچوں کو ساتھ لیا۔ لندن میں جی نہ لگا تو آشٹن میں آ گئے۔ پہلے ڈکنفیلڈ میں رہے اور پھر 1974ء میں آشٹن میں رہنے لگے۔ بیکری Walls میں 13 سال کام کیا وہاں سے Redundant ہو کر اپنا کام شروع کیا۔ حلال اشیاء تیار کرتے رہے۔

میں مطمئن ہوں کہ اپنے گھر والوں سے، بچوں سے اور تمام احباب سے گویا والدہ، بہن بھائی، دوست لیکن ایک کمی ہے۔ بچوں کو اگر اپنے کلچر اپنے ماحول سے تعارف کروائیں اور ڈھالیں تو ایک اچھا ماحول پیدا کر سکتے ہیں اور اولاد پر کنٹرول بھی رہے گا۔ اور ارینج شادی کامیاب ہو سکتی ہے اور ایک اچھی سوسائٹی کا وجود قائم رہتا ہے۔ بچپن میں سوہنی مہینوال کی کہانی سنی تھی۔

محمد عثمان

میں میر پور آزاد کشمیر 1950ء میں پیدا ہوا۔ بھینسی ایک علاقے کا نام ہے۔ یہ نام کیوں پڑا اس کے پیچھے ایک تاریخ ہے جو کہ بزرگوں سے سنتے چل آ رہے ہیں کہ اکبر اعظم کے زمانے میں بھینسو رام ایک آدمی تھا جو کہ دہلی کے راج سے متنفر تھا اور ہجرت کر کے جس علاقے (یعنی آزاد کشمیر) میں ٹھہرا اور وہاں سے اس کی اولاد مسلمان ہوئی اور اسی علاقے کا نام بھینسی جگرام پڑ گیا۔ ہمارے علاقے کے بیشتر لوگ یعنی برادری کے لوگ اولڈہم، بریڈفورڈ، ڈربی میں مقیم ہیں۔

میں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ 16 سال کی عمر میں 1966ء میں انگلینڈ آ گیا اور بولٹن میں اپنے ایک عزیز جو کہ مجھ سے پہلے موجود تھے اس کے پاس آ کر ٹھہرا۔

ایک سال تک ڈرائی کلین لانڈری میں کام کیا۔ تقریباً ایک سال کے بعد ایک فرنیچر بنانے والی کمپنی میں ملازمت مل گئی وہاں چھ سال تک کام کیا۔ پھر وہاں سے Walsal چلا گیا اور وہاں سے اینٹیں بنانے والے بھٹے میں کام ملا۔ ایک سال وہاں کام کرنے کے بعد سویٹ کمپنی جو کہ ڈربی شائر میں تھی کام مل گیا۔

1968ء میں راچڈیل آ گیا اور اب تک یہیں ہوں۔ 1972ء میں شادی ہو گئی۔ 7 بچے ہیں، 4 لڑکیاں اور 3 لڑکے ہیں۔ بچپن میں ہیر رانجھا اور سیف الملوک سنی تھی۔

ملک ریاض

میں 1936ء میں کھاریاں (گجرات) میں پیدا ہوا۔ کھاریاں میں ایک مڈل سکول تھا وہاں سے مڈل پاس کیا۔ دو تین سال وہاں کھاریاں میں پھرتے گزار دیئے۔ ان دنوں گھر کے حالات بہت خراب تھے۔ سارے رشتہ داروں نے جمع پونجی اکٹھی کر کے 4000 روپے ایجنٹ کو دیئے۔ اس نے 12 آدمیوں کا گروپ بنا کر ہمارے لئے انگلینڈ جانے کا انتظام کیا۔ 1961ء میں ہم سب یعنی 12 افراد اکٹھے ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچے اور پھر ایئرپورٹ سے وکٹوریا اور وہاں سے مانچسٹر پکاڈلی سٹیشن پہنچ گئے۔

کچھ واقعات اس طرح سے سامنے آتے ہیں کہ انسان انہیں ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ جب ہم مانچسٹر پہنچے تو وہاں ایک آدمی ملا جس نے مجھے اپنا چچا سمجھا، مجھے گلے مل کر رونے لگا۔ اسے کوئی اپنا بیٹا بنا کر لے آیا تھا، جس وقت وہ آیا ہوگا اس کی عمر چھوٹی تھی۔ اس کے ذہن میں بچپن کا ایک خاکہ جو کہ اس کے چچا کا تھا۔ وہ ہمیں گھر لے گیا۔ کھانا وغیرہ کھلایا لیکن میں نے اسے سب کچھ بتا دیا وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا کہ آپ میرے بزرگ ہیں، میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں لیکن ہم نے اسے کہا کہ وہ ہم سب کو ایجنٹ کے گھر تک پہنچا دے۔ وہ ہمیں ایجنٹ کے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ ایجنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ انگلینڈ میں رہنے کا اچھا انتظام ہوگا اور نوکری بھی وہ ڈھونڈ کر دے گا۔ ہمارے ساتھ ایک آدمی صوبیدار میجر ریٹائرڈ بھی تھا۔ ایجنٹ نے ہمیں رات کو ایک کمرے میں 12 آدمیوں سے کہا کہ یہ کچھ کمبل ہیں ان کو لے کر زمین پر سو رہو۔ میجر صاحب نے اس سے

Argument کیا کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ 12 آدمی اس چھوٹے سے کمرے میں لیٹ سکیں تو ایجنٹ نے کہا کہ آپ کی مرضی باہر سڑک کھلی ہے۔ جہاں چاہیں آپ چلے جائیں۔ دوسرے دن کچھ لوگ جن کے کچھ ملنے والے تھے انہوں نے رابطہ کیا وہ لوگ چلے گئے۔ میری واقفیت میں بھی ایک صاحب منظور صاحب تھے۔ میں نے ان کے پاس Rodnel سٹریٹ اولڈہم میں آ کر رہنا شروع کر دیا۔ ان دنوں لوگ اکیلے ہی رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کچھ لوگ ملنے والوں میں ہوں کیونکہ ہم سب لوگ اقلیتی میں تھے۔ فیملی سسٹم بھی نہیں تھا اس لئے بہت اتفاق تھا۔

میں نے کام ڈھونڈنا شروع کیا تو مجھے smokeless کوئلہ بنانے والی فیکٹری میں کام مل گیا۔ 6 ماہ وہاں کام کیا۔ پھر مجھے HMO ہوم آفس کی سٹیشنری بنانے والی فیکٹری جو کہ Shaw میں تھی کام مل گیا۔ وہاں میں نے 25 سال تک کام کیا اور وہاں سے ریٹائرڈ ہوا۔ میری شادی 1968ء میں ہوئی۔ 4 بچے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ یہاں آ کر میری اولاد پڑھی لکھی ہوگی اور میری زندگی میں کامیاب ہوگی۔ لیکن ہماری اولاد ہماری نہیں لگتی۔ Selfish ہے۔

میری اولاد نے مجھے حیرانگی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ہم جس امید سے اس ملک میں آئے تھے۔ حالات ایسے ہیں کہ اب واپس نہیں جا سکتے ہیں۔ اولاد یہاں ہے وہ پاکستان جانے سے خوفزدہ ہے اور نہ ہی ہم انہیں یہاں چھوڑ سکتے ہیں۔ پیچھے ماں باپ فوت ہو گئے ہیں۔ سب بھائی بہن فوت ہو چکے ہیں۔ اب سوچتے ہیں جائیں تو جائیں کہاں۔ بس آخری وقت کا بڑی مایوسی سے انتظار کر رہے ہیں۔

چودھری زمان

1933ء میں بھنگر یلا میر پور میں پیدا ہوا۔ میرا خاندان بھینسی ہے۔ 1958ء میں میرے پھوپھی زاد بھائی جو کہ پہلے انگلینڈ آ گئے تھے اسی نے مجھے بلایا۔ وہ بریڈفورڈ میں رہتا تھا۔ Heathrow ایئر پورٹ اس زمانے میں چھوٹا سا ایئر پورٹ تھا۔ وہاں اتنے لوگ بھی نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی اتنی سخت امیگریشن تھی۔ ایئر پورٹ سے لندن وکٹوریا بس میں پہنچا اور وکٹوریا سے بریڈفورڈ۔ جہاں میرا پھوپھی زاد بھائی رہتا تھا وہ مجھے بس سٹیشن سے لے گیا۔ چار پانچ مہینے کوئی کام نہ ملا۔ میں کبھی کچھ میرے جیسے اس زمانے میں نئے نئے آئے تھے ان کے ساتھ یا پھر اکیلا کام ڈھونڈنے کیلئے نکل پڑتا۔ پھر برف باری شروع ہوگئی اور کرسمس کے بعد جنوری میں مجھے ایک بھٹہ جہاں اینٹیں بنائی جاتی ہیں وہاں کام مل گیا۔ اس کے بعد میں Bedford چلا گیا تقریباً ایک سال وہاں رہنے کے بعد بریڈفورڈ واپس آ گیا۔ وہاں Wool Mill میں کام مل گیا۔ 5 سال تک وہاں کام کرتا رہا۔ جوانی تھی وہ تمام شوق جو اس عمر میں ہوتے ہیں کچھ کئے اور زیادہ دیکھے۔

1973ء میں ہماری برادری کے بہت سے لوگ اولڈہم میں رہتے تھے تو میں بھی ان کے پاس آ گیا اور کبھی کام کرتا رہا اور نہ ملا۔ اسی دوران ایک دو سال کیلئے پاکستان چلا گیا۔ شادی ہوگئی۔ زندگی بہت اچھے طریقے سے گزر رہی ہے۔ اولاد جوان ہے، کنٹرول میں ہے اور اللہ کا شکر ہے۔ 7 بچے ہیں، 4 بیٹیاں اور 3 بیٹے۔

میں نے دیکھا ہے کہ اگر انسان اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائے تو کم از کم اس ملک جس میں شخصی آزادی ہے انسان بہتر زندگی گزار سکتا ہے۔

جو زمانے کو ہے اعجاز دکھانے والا
ہے بہت جلد ہی وہ وقت بھی آنے والا
خود بھی حیران ہوں میں کیوں نہ ہوا خاکستر
غم ہے دریا میں بھی یہ آگ لگانے والا
یہ نہ سوچا تھا کبھی، ایسا بھی ہو سکتا ہے
روٹھ جائے گا کبھی، مجھ کو منانے والا
میں بھی زندہ ہوں، نشیمن بھی نیا ہے میرا
ہے کہاں، تھا جو مرے گھر کو جلانے والا
یاد کر لینا فقط، غم کا مداوا تو نہیں
میں اسی زعم میں تھا تجھ کو بھلانے والا
اس سے تعبیر کا کیسے میں تقاضا کر دوں
خود ہی اندھا ہے، مجھے خواب دکھانے والا
حشر کے روز اگر ملنا رضاؔ سے ہو تمہیں
پوچھنا، کون ہے؟ یاں گیت سنانے والا

نسیم بی بی

میرا نام نسیم بی بی ہے۔ میں تقریباً 60 سال پہلے پاکستان کے شہر لالہ موسیٰ کے ایک نواحی قصبے میں پیدا ہوئی۔ میرے والد صاحب محکمہ زراعت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس لئے ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ بچپن کا زمانہ کھاتے پیتے اور بہت اچھے حالات میں گزرا۔ ملحقہ شہر کے ہائی سکول سے میٹرک بہت اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد میں نے اپنے والد صاحب کی حسب خواہش (لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے مساوی تعلیمی مواقع ملنے چاہئیں)، اس زمانے کے تعلیمی نظام کے مطابق JV.SV ٹیچر ٹریننگ حاصل کی اور مقامی سکول میں پڑھانا شروع کیا۔ ملازمت کرنے کی وجہ سے مجھ میں ایک طرح کی خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اور میں اپنے چھوٹے موٹے فیصلے خود کیا کرتی تھی۔ اس زمانے میں جبکہ لڑکیوں کو سخت پردے کے اندر گھروں میں پابند رکھا جاتا تھا میں دوسرے شہروں میں بے خوفی سے سفر کیا کرتی تھی۔ میرے اس طرز فکر اور زندگی کے انداز کو دیکھتے ہوئے میرے والد صاحب نے میرا رشتہ انگلینڈ سے آئے ہوئے ایک نوجوان سے طے کر دیا۔ جو کہ انگلینڈ میں سفری سہولیات فراہم کرنے والے ادارے سے وابستہ تھا۔ 26، 27 سال کی عمر میں میری شادی ہوئی۔ شادی کے بعد انگلینڈ آنے کیلئے میرا پہلا ہوائی سفر تھا۔ انگلینڈ جو کہ پاکستان میں رہنے والے لوگوں کیلئے ایک دوسری سرزمین اور خوابوں کا دیس سمجھا جاتا تھا، مجھے یہاں آنے کی خوشی سے زیادہ اپنے خاندان، سہیلیوں اور سب سے زیادہ ملازمت چھوڑنے کا غم تھا۔ لیکن مجبور تھی۔ ہر لڑکی کی

طرح میں بھی حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے چپ چاپ ادھر آ گئی۔

میرے شوہر کی ملازمت کیونکہ ادھر اولڈہم میں تھی اس لئے ہمارا ابتدائی زمانے ہی سے قیام یہاں اولڈہم میں ہے۔ جب میں ادھر آئی وہ 1967ء کا زمانہ تھا، زندگی گزارنا آج کی بہ نسبت بہت مشکل تھا کیونکہ گھروں میں زندگی گزارنے کی سہولیات بہت زیادہ میسر نہ تھیں۔ ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کا موسم پاکستان کے مقابلے میں سخت سرد تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ گھروں میں آج کل کی طرح سینٹرل ہیٹنگ وغیرہ کی سہولت نہ تھی۔

حالانکہ پاکستان میں میں نے کافی متحرک زندگی گزاری تھی لیکن میں بدقسمتی سے یہاں کے ماحول سے مطابقت نہ حاصل کر سکی اور صرف گھر کے اندر ہی ایک مکمل خاتونِ خانہ کی سی زندگی گزارنے لگی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان میں پڑھے لکھے ہونے کے باوجود میری انگلش زبان سے مکمل طور پر واقفیت نہ تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں میرا خیال ہے کسی آفس یا سکول وغیرہ میں جاب کرنے کیلئے مکمل انگلش زبان سے واقفیت بہت ضروری تھی۔ آج کل کی طرح ایشین کمیونٹی کے پڑھے لکھے طبقے کی بہت زیادہ کمی تھی اور ایشین کمیونٹی کا زیادہ تر رجحان فیکٹریوں، ویئر ہاؤسز یا ریسٹورنٹ کی انڈسٹری کی جانب تھا۔ میرے علاقے میں کوئی ایشیائی فیملی نہ تھی جس کی وجہ سے بہت زیادہ اکیلا پن محسوس کرتی تھی۔ پھر جب میرے اوپر تلے بچے پیدا ہو گئے تو مصروفیت ہو گئی۔ یعنی میرے اکیلے پن کا کچھ تدارک ہو گیا۔ بچوں کے سکول وغیرہ میں اپنے شوہر کے ساتھ ٹیچروں کے ساتھ ملنے کیلئے میں خود جاتی تھی۔ جس سے میرے اعتماد میں اضافہ ہوا۔ باہر کی دنیا سے رابطہ کرنے میں مجھے کوئی خاص مشکل کا سامنا نہ تھا۔ کیونکہ اپنا مدعا بیان کرنے کیلئے مجھے انگلش زبان سے جزوی طور پر واقفیت تھی۔ اپنے گورے پڑوسیوں کے ساتھ میرے اچھے تعلقات تھے۔ لیکن کلچر کے لحاظ سے مجھے ان کے ساتھ بہت زیادہ گھلنے ملنے میں دشواری کا سامنا تھا۔ جس کی وجہ سے میں اپنے آپ کو بعض اوقات اس

معاشرے میں مس فٹ سمجھتی تھی۔

میں خود کھانا وغیرہ پکاتی تھی اور پاکستانی کھانے کھانا پسند کرتی تھی۔ شلوار قمیض پہنتی ہوں۔ شروع شروع میں ساڑھی پہنتی تھی لیکن ملنے جلنے والی ایشیائی خواتین کی تنقید کی وجہ سے میں نے ساڑھی کو خیر باد کہہ دیا۔

ابتدائی زمانے میں جبکہ مسلمان کمیونٹی یہاں چیدہ چیدہ تھی تو مردوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے دشواری کا سامنا تھا تو میرے شوہر اور ان کے احساب نے مل کر ایک گھر لے کر اس کو مسجد کی طرح استعمال کرنا شروع کیا اور باجماعت نماز ادا کرنے کی سہولت پیدا کی۔ اپنے بچوں کو اپنے مذہب اور کلچر سے واقفیت کروانے کیلئے میں نے گھر پر ان کو قرآن مجید اور اردو زبان کی تعلیم دینا شروع کی۔ پرائمری ایجوکیشن کے دورانیے تک تو یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن کچھ بچوں کی غیر دلچسپی اور ایک پڑھی لکھی رشتہ دار عورت کی مداخلت سے کہ بچوں کے اوپر اس طرح پڑھائی کا دہرا بوجھ پڑ رہا ہے، یہ سلسلہ تعطل کا شکار ہو گیا۔ جس کے اثرات آج ظاہر ہو رہے ہیں کہ میرے بچوں کو اردو اور پنجابی زبان سے واقفیت ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے کلچر سے بے بہرہ ہیں اور اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ان کا جو کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ جو جذباتی رشتہ ہوتا ہے اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

ان حالات کی وجہ سے میں ڈیپریشن کا شکار رہتی ہوں اور میرے شوہر بھی اب بہت بیمار رہنے لگے ہیں جس کی وجہ سے مجھے ان کی فل ٹائم نگہداشت کرنا پڑتی ہے اور ہزار چاہنے کے باوجود میری سوشل لائف نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے چاروں بچے جاب کرتے ہیں اور میں اور میرا شوہر گھر پر ہی رہتے ہیں۔ زندگی کے اس طویل سفر میں جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ میں نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟

صدائے ضمیر

کس نے آواز دی؟
مجھ کو زندان سے.....
کون مظلوم ہے؟
آ رہی ہے صدا سسکیوں کی مجھے
جس کے الفاظ کنکر کی صورت
مرے دل پہ گرنے لگے
خشک پتوں کی صورت مری آنکھ سے
اشک جھڑنے لگے!
اتنی تاثیر ہے کس کی فریاد میں؟
کون ہے؟ جو پریشان رہتا ہے
ہر وقت میرے لئے
میں نے ڈھونڈا بہت پر ملا نہ مجھے
جب ملا تو نہاں خانۂ دل میں تھا
قید میرا ضمیر!

3. We were close family friends.
4. We already knew each other well.
5. I got engaged after college.
6. He wanted me to go university.
7. After two years we both got married.
8. We had our first child after a year.

8. Then in 1991 I came to England with my family

1 We were both related, cousins in family

2. Lived opposite each other

3. Our families decided to get us married

4. They asked us both and we agreed

5. We got engaged

6. One day before the engagement a family death happened

7. So our parents got us married after a month

8. The wedding wasn't big because of family death

1. I was studying in college.

2. My parents talked about marriage after my A-levels.

3. They asked if I was ready, I said yes.

4. They chose someone for me and introduced me.

5. He was outside the family.

6. We got engaged after we got to know each other.

7. After a year we got married in Pakistan.

8. We both came to England after 9 Months.

1. I knew since I was 15 who I'd get married to.

2. My family and his were in England.

Fazal Begum

I was born in Khariyan, Pakistan. My children were already living in Rochdale. They called me over in 1998.

First I went to Bolton and then moved to Rochdale. When I was child I was told the story of Sassi Punno.

Razia Sadiq

I was born in Sahiwal, Pakistan. Sahiwal is twin city of Rochdale. My parents were already living in Rochdale so they called me. My marriage was arranged.

I have heard lot of love folk stories in Pakistan. There are some movies as well on these stories.

Some of the stories from our Seminar Arrange and Force marriage.

Participants didn't want to publish their names:

1. We were both cousins
2. His dad asked for my hand in marriage
3. My dad asked me and I agreed
4. We got engaged after a few weeks
5. After our engagement he came back to England
6. Five years later we both got married
7. I had my three daughters in Pakistan

Milkstone Group

Perveen Akhtar

I was born in 1948, Gujrat, Pakistan. My town Gujrat is famous for love stories and spirituality. My husband was from Rochdale. He came to Pakistan and I got married.

I have always lived in Rochdale. My marriage was arranged.

Tahira Farzana

I was born in 1956, in Jehlum, Pakistan. My children were already settled in Rochdale. I joined them in 2000. I have heard lot of love stories from my parents. I have written one story Heer Ranjha in Urdu.

Shaista Nawaz

I was born in 1974, in Kamalia, Pakistan. I came to England as a fiancée and got married here in Rochdale. My in-laws also live in Rochdale. I remembered the folk story of Laila Majnoon.

These tales have rich characters that reflect the time and society they lived in.

The stories are not just meant for the young and that in love, but for anyone with a sense of deep emotion. They are narrated for their message of tradition and love.

Sindh. He was attracted to the magical Kak and decided to pay it a visit.

Rana was a courageous man and he reached the palace without any harm. This impressed Mumal so much that she accepted him as her consort. He would spend nights at the palace and then return to Umer Kot at dawn. Rana covered long distances from AmarKot to Kak to be with Mumal.

One day, Rano got late for some reason. Mumal became frustrated because of this delay. She decided to prank him by a silly trick. She asked her sister to dress like a man and sleep in the bed with her. Rano was enraged by the sight.

Out of anger and disgust, Rano left his cane besides Mumal's bed and departed for Umer Kot. Rano ignored all pleading from Mumal.

Desperate, Mumal set herself on fire. When Rano heard about it, it was too late and Mumal was engulfed in flames. Rano jumped into the fire and was burned along with Mumal.

Sorath

Momal Rano

Momal Rano (or Mumal Rano) is one of the seven popular tragic romance stories from Sindh, and appears in Shah Jo Risalo by Shah Abdul Latif Bhittai.

Mumal Rathore was a princess from Jaisalmer, India. She lived in a palace with her sisters. The Kak Palace held magical powers and attracted rich suitors for the sisters. The tales about the palace and Mumal's ravishing beauty became a legend.

Rana Mahendra Sodha was the ruler of Amar Kot,

Sohni

Lilan

Sassi

Noori

Azhar Ali

I was born in Hydrabad Sindh Pakistan in 1942 and came to Rochdale in 1954. In our Sindh we have very famous Sufi poet called Shah Latif Bhitai. He wrote seven love stories which are still popular in my area. The Sindhi literature is incomplete without these stories.

Seven Queens from Shah Jo Risalo by Shah Abdul Latif Bhittai.

Umar Marvi

ceremony on his mare. They hid in the forest, where they were caught by her brothers. Mirza was an expert archer, but he was unable to defend himself.

Sahiban broke all of his arrows, hoping to avoid any bloodshed. Mirza put up a fight but didn't last long, and was killed by her brothers. Sahiban ended her life right there with Mirza's sword.

Mirza Sahiban love story emerged from Punjab, during the Mughal Era. Mirza was from Punjab, and belonged to a tribe of Jatts, the Kharals. Sahiban was belonged to the Sial tribe.

Mahni Khan, the father of Sahiban, was chief of Kheewa, a town in Punjab's Jhang district.

Mirza's father was Wanjhal Khan, who was a Chaudhary in the tribe of Kharal Jatts, in the Jaranwala, which is now Faisalabad.

Mirza went to Khivan in order to study. He fell in love with Sahiban soon after he saw her for the very first time.

Sahiban's marriage was arranged soon after they became lovers, and she sent a message to Mirza. Mirza, who was attending the marriage ceremony of his sister, immediately left for Sahiban's village.

Mirza took Sahiban away from her marriage

places on my own. I like making friends and visiting places.

Salim Ahmad

I was born in India in 1940 and came to Pakistan in 1947 with my parents. I still remember the folk singers use to come to our village and play songs about Mirza.

I have researched the story on net now and got this, which reminded me my childhood.

I was engaged within three months of my mum's arrival in Pakistan. I got married and stayed in Pakistan for four years. After this, we decided to move England. I came to U.K in 1967 by then I had two boys. We landed in London and came to live in Rochdale. I started working in 1968 in a mill on early shift. Then I had two more children in Rochdale, Birch Hill Hospital. I worked in the mill for 17 years. After working long time at mills I and my husband decided to buy a newsagent shop. It was a very tough job at the time as it starts from early morning at 5:00pm till late at 8pm night time. I had to get up early to receive Newspapers and the mark the delivery rounds. We employed six boys to delivering papers at the time. So managing them at 6.30am is quite a challenge. I managed our shop for 22 years then we decide to take early retirement from it. It was hard work but I and my husband enjoyed it. I made a lot of friends from this shop. I respected them a lot. My husband was not well at the time of closing our business. My husband passed away. I was introduced to mind group after few year later. Then some time later a friend asked me to join age concern group. I did both groups once a week. I enjoyed meeting friends. I still do, we are like a family now. I have been to a few places with my group. I wouldn't have seen these

Freehold and Milkstone Place Group

Shafqat Begum

I was born in India, in the city of Philoor. I have been a healthy child and very active. I learnt my Holy book Quran Shariff, when I was six year old, and we had Ameen (achievement) party soon after. We had to travel to Pakistan in 1947. We travelled by horse cart. I had three brothers and my mum, dad, also grandmother. We were there brother and one sister when we came to Lahore and stayed in the hotel for few days. Then found out that we have some relatives in Lahore. They took us to their home and then we started living with them. My father went to Kenya for work soon after we arrived in Lahore. One year later he sent us a visa for Kenya and we travelled by a steam boat, which took us a week to reach Mombasa. My father was waiting there for us at Mombasa port. Once again we were united after one year. We stayed in Mombasa for one night and went to Nairobi the next day. I stayed in Nairobi for a long time. I completed all my education there. Then my mum came to Pakistan and she decided to arrange my marriage.

marriage. The life is very different here compere to Pakistan. I visit my relatives time to time in Pakistan I am a Volunteer at Pakeeza Women Group.

Mumtaz Akhter

I was born in Nairobi. I came to Rochdale after marriage. Now I am active volunteer at Pakeeza Women Group.

Sarwari Ahmad

I am very active and enthusiastic person I am volunteer and treasurer of Pakeeza Women Group.

I still remember the love story of Sheerin Farhad.

Hingorja area of Khairpur district.

Kamran Larik had a court marriage with Tahira Shah - both residents of Larik Para, Hingorja - in Benazirabad district during the first week of August this year.

The parents of the bride and the groom tricked the two, by taking an oath on Holy Quran that they had accepted the marriage and brought them to a retired judge's house in Khairpur where they were forced to consume pesticide.

Shamshad Butt

I was born in Lahore, Pakistan. I came to Rochdale after marriage. I was told the story of Sussi Punno in my childhood by elders.

Parveen Akhtet

I was born in Rawalpindi, Pakistan. I came to Rochdale after marriage. I was told the story of Sohni Mahiwal in my childhood by elders.

Zahida Parveen

I was born in Pakistan and came to Rochdale after

got married in 1962.

Zahida Baig

I was born in Lahore, Pakistan. I came to Rochdale in 1988 after I got married. My marriage was arranged. I still remember an incident happened in 1960 in Pakistan. A boy and girl wanted to have love marriage so girl's family poisoned her and boy committed suicide.

Sughra Bl

I was born in Faisalabad, Pakistan. I came to Rochdale in 1983 after marriage. I still believe in one thing that sometimes when you ask something from GOD, there is a time when your wish comes true. If you wish to marry a man who is 30 years older than you, it can happen.

That is something I called love.

Badar Pervez

I was born in Lahore, Pakistan. I came to Rochdale in 1978 after marriage. I am a volunteer at Pakeeza Women Group. Similar story came in newspaper which Badar sister has told yesterday.

In Hydrabad, Pakistan a young man died his wife survived after they were forced to consume poison in

a Women Group
St Andrews Church

The group sessions were held with 15 participants:

Neelam Khawaja

I was born in Gujrat Pakistan. When I was ten years old I was told by my grandmother the folk stories. I am a volunteer at Pakeeza Women Group and enjoy working with my friends.

Naseem Begum

I was born in Sahiwal, Pakistan, which is the twin city of Rochdale. I still remember the story of Heer Ranjha.

Shamim Akhter Ansari

I was born in Kampala, Uganda. On 4 August 1972, President of Uganda, Idi Amin, ordered the expulsion of his country's Asian minority, giving them 90 days to leave Uganda I came to London and then Rochdale. I

Sohni was Izzat Beg's downfall; bad luck and disaster befell him in his struggle to see his beloved. During this time of hardship he changed his name to Manhiwal.

Sohni's family was strong and worked hard to keep the lovers apart. Sohni had an aunt called Masy Kuby who was faithful to her, she helped the young lovers meet in secret. Unfortunately they were discovered and Sohni was quickly married to her cousin, separated from Manhiwal by the great river Chenab.

Neither the marriage, nor the river deterred the lovers from seeing one another; they continued to meet in secret, aided by the trustworthy Masy Kuby; until finally, crossing the river to meet one-another, betrayed by Sohni's sister-in-law, they met disaster. Their love affair ended miserably in a sad and heart-rending struggle to be together.

Sohni Manhiwal

Sohni Manhiwal

The story of Sohni Manhiwal is based in seventeenth century Gujarat, which at that time was renowned for its pottery.

In this period of time there lived a famous Potter called Attaullah. He made all wonder of fancy articles of great ornamental value. His fortune increased when he was given a daughter who was full of beauty and gracefulness, her name was Sohni, which meant "The Beautiful". Sohni helped her father in the family business. She inherited her father's skill and had such an eye for detail that her pots became as sought after as his own.

In distant Balkh lived a Moghul Merchant-prince called Izzat Beg, he worked hard for his father, journeying to distant lands, earning great reputation and wealth for the family as he went.

In Izzat Beg's travels he came across some very intricate works of earthenware and decided to take some home for his family. When he stepped into the show rooms and set eyes on Sohni he was beguiled by her beauty. He visited many times, each time buying more and more of the stock. His love for the beautiful

In 1967 I was the first Pakistani woman to get MBE.

I am Ex Chair of REC and Ashiana Housing.

My husband is from Africa and he told me that:

Africa is the second largest continent in the world. The collection of folktales from Africa consists of four books with 88 folktales: 28 South African folktales, 40 Nigerian folktales and 10 Tanzanian folktales.

The story which I was told by my elders was:

Razia Shamim

I relaunched a group for women over 50 after it was axed by Age Concern.

The Rochdale Asian Ladies Group, run by Age Concern for more than 20 years, had its last meeting in March. Age Concern could not continue with the group after funding was withdrawn by the council.

I was involved in community work in Rochdale for more than 30 years, made redundant from her role.

But I felt so strongly about the group and wanted to ensure that the service was still available for women throughout Rochdale so I decided to continue running it as a volunteer.

I relaunched it as Pakeeza Women Group at St Andrew's Church in Smith Street.

Pakeeza Women Group is flourishing day by day.

I was born in Jalendher, India and came to Pakistan in 1947. After marriage came to Rochdale in 1966. I have always involved with community work.

The story which I remember is;

Shaiful Mulook

Prince Shaiful Mulook and Badi-ul- Jamal is a classic fable from the Hazara region of Pakistan. It is the one of the most beautiful lakes in Pakistan. The story of love between prince and the fairy is written by mystic poet of Punjabi literature Mian Muhammad Baksh (R.A) in poetry form. It tells the story of a Prince's love for a fairy; the name Saiful Mulook refers to a lake in northern Pakistan.

Shaiful Mulook

He worked as a part time youth worker at Sparrowhill, Kashmir youth project and sparth community Centre. He worked as community assistant at Spotland and Sudden community centres. He developed Safara Urdu School, a high profile weekend Urdu school at spotland community centre. He makes his references to his late brother, Abdul Hameed Salik, Mr. Khizar Shah and Bashir Ansari, who provided valuable guidance and support. In 1987 Councillor Zaman secured a job with local government and spent 20 years working for Bury Council as language co-ordinator. He enjoyed his time with local government and learned quite a lot, helped lot of people and feels that he has made a difference.

Councillor Zaman has grown up children and grandchildren and he is very proud of them. He says that my wife has been very supportive throughout my life and I kept good balance between my work and family life.

Councillor Mohammed Zaman

Councillor Mohammed Zaman lives in Rochdale. He comes from a beautiful village Chawala in Azad Kashmir. His family moved to Dadyal in early sixties. Councillor Zaman came to England in 1975.

He remembers very cold weather, heavy snow falls and walking to work in bad weather. He worked in textiles mills for 12 years, Arrow Mill is one of them that still reminds him of those good old days, beautiful, hardworking people, who would go out of way to help and support each other. He says job was not a problem in those days, if you lost one job you could start another job next day. He still remembers lunch breaks where everyone would share lunch, talk about their lives, crack jokes and make those lunch breaks memorable events. These people were a unique example of sincere community, who supported their families and friends here and aboard. May Allah bless them all.

When textile industry started to see its downfall, councillor zaman says that he was very lucky to find various jobs he very much loved. He started teaching Urdu language and taught in various mosques and centres in Rochdale.

Syed Waris Shah (1722-98) was born in Jandiala Sher Khan, District Sheikhupura, Punjab (Pakistan). He was deeply learned in Islamic and domestic cultural love. His verse is a treasure-trove of Punjab Phrases, idioms and sayings. His minute and realistic depiction of each detail of Punjabi life and the political situation in the 1700's remains unique. Of all his works, his version of the legendary romance of Heer is the most outstanding. Heer Waris Shah is believed to be based on the true account of two star-crossed lovers, who lived during 16th century. His other famous books are "Ibrat Nama" and "Ushtar Nama". *

Syed Waris Shah

Baba Farid was born in 1173 A.D. In the city of Kothiwal, near Dipalpur, Pakistan. It is now called Pak Pattan; the ancient name has been recorded as Ajodhan. The city existed when Alexander invaded it in 326 B.C. Baba Farid's ancestors were from a town called Aush, south of Fergana [Babur's hometown] the south east of Andijan. Farid's grandfather [Qadi Shuaib] left Kabul and took refuge in Lahore under the Ghaznavid Sultan in 1125 A.D. Farid is truly the father of Punjab literature. He died in 1266 A.D. His poetry later influenced the Sikh religion, especially their Holy Book "Sri Guru Granth Sahib." Such was the universality of Baba Farid, the Sufi poet laureate.*

Baba Farid

mystic poet. According to them, Bhagat Kabir lived for 120 years from 1398 to 1518. But scholarly research puts his life span from 1398 to 1448. He made Ramanand, the great mystic teacher of that time, to be his guru, who previously used to accept only Barhamans as his pupils. The life and creative expression of Kabir was devoted to give self-respect to the downtrodden "Untouchable" masses while emphasizing upon the inner light and good character as the yardstick of Superiority. His poetry exposes the hypocrisy of the shallow religiosity of clerics. He was the greatest scholarly voice for peace and humanity in the times of racial discrimination imbibed in the religions and social structures of India.*

Hazrat Sultan Bahoo

Councillor Muhammad Asim

I was born and bred in Lahore, Pakistan. Studied Government College Lahore. I am proud to be an old Ravian. Got Masters in Economics and came to UK in early 2000. I started retail business and expand with chain of stores and Subway.

I was always interested in Sufi Poetry and stories which I heard from my teachers. Some of them are:

Hazrat Sultan Bahoo was born in 1628 A.D. in Shorkot, Pakistan. In his childhood there was a strange light on his face which compelled disciples of different religions to say 'Kalima Tayyiba' and embrace Islam. His mother supervised his education but it had been irregular because he was often found under the influence of ecstatic states.

It seems that his education informal up to the end. He died in 1691 A.D. at Shorkot, Pakistan, where he was buried close to the bank of a river. His Body had, however, to be transferred twice to other nearby places due to floods. Now the place he lies buried is under the beautiful tomb called Darbar Hazrat Sultan Bahoo Distr Jhang, Punjab, Pakistan.*

To honour the tradition of the Kabirpanthies, 1518 A.D. has been recorded as the date of the death of this

India in 1945. I came to the UK when I was 20 on a plane with my elder brother and the journey was rather nice. I came to work at Liverpool for 4 years and then moved to London for another 10 years however I then moved to Rochdale as it was cheaper to live. I stayed with my brother and his family and never got married. I do remember the story of Heer Ranjha whilst also hearing about the story of Romeo & Juliet when I came to the UK.

Shafia Begum

Hello, my name is Shafia Begum and I was born in Vehari, Pakistan in 1953. I had a love marriage and came to the UK to work with my partner. My journey here was delightful and I enjoyed being on a flight for the first time. I stayed in Rochdale in a flat with my husband and we had 2 children. We used to the cinema in Rochdale on Sundays watching Asian films, I love watching movies. I remember Heer Ranjha and Laila Majnu were popular stories.

lower then Benwill Higher (high school). After school I worked by sewing with a wage of £4. In 1975 I had an arrange marriage to my cousin in Faisalabad and then he came in 1977, we had 4 children and 2 grandchildren; we had a tough time and then a divorce in 1995. I also have 1 sister in Newcastle and 1 brother in Pakistan. By August of 2000 I moved to Rochdale due to some family issues. I remember Romeo and Juliet however it didn't mean much to me since my English was not that good.

Rehana Amini

Hello, my name is Rehana Amini and I was born in Lahore, India, in January 1946. Since my father & brothers already worked and studied in the UK since 1963, I came with the rest of my family in 1969. The journey was rather nice as I came in a plane to London and then to Rochdale in a car. I later had an arranged marriage and although my husband was from Bradford we settled in Rochdale. I have 1 daughter who has 2 sons aged 4 & 2 years old. I remember the old love story Laila Majnu.

Sajjad Malik

Hi, my name is Sajjad Malik. I was born in Delhi,

Badar Pervez

Hi, my name is Badar Pervez; I was born in Lahore, Pakistan in 1960. In 1978 I had an arranged marriage and took a flight to the UK with my husband to then stay in Rochdale. In Rochdale we opened up a paper shop, worked at a cash & carry, now we work at a fruit stall. We now have 5 children who are all grown up. I used to love watching Soni Mahiwal and Sassi Punnoo.

Farida Akhtar

Hello, my name is Farida Akhtar. I was born on the 1st July 1953 in Sylhet, Bangladesh. In 1970 we had an arranged marriage and as my husband had already being living in Liverpool (UK) since 1963, I also came with 4 children in 1986 and we moved to Rochdale where we had 2 more children. I was really happy to come and stay with my husband. I definitely remember Laila Majnu.

Sherwari Ahmed

Hi, my name is Sherwari Ahmed. I was born in April of 1956 in Faisalabad, Pakistan. I came to the UK in 1968 at the age of 12 and attended the Junior School Canning St Sched in Newcastle; I later attended Benwill

Najma Shaffi

Hello, my name is Najma Shaffi. I was born in Garshaw 1947. At the age of 19 in 1967 I had an arranged marriage, which was more like love, to a cousin from Kenya and then we came to London from Kharaji. We had a wonderful journey here. After 6 months we were settled in Rochdale. For 3 years I worked at Dunlop as a core winder and then at arrow mill for 7 years, I then began to work from home as a machinist. We have 3 children, 2 girls and 1 boy, who are all married and have children. I do remember the stories of Heer Ranjha and also "Ferdos & Ejas".

Shamshad Shaffi

Hello, my name is Shamshad Shaffi and I was born in Bangalore, India on the 23rd March 1945. I had an arranged marriage in Lahore, 1962 and after having 3 children we came to England in 1969 since my husband's family all lived in the UK and we then had another child. We then bought a new house and moved from Manchester to Rochdale in 1974. I do remember Heer Ranjha, Sassi Punnoo alongside watching the Pakistani film Sonalatta.

Qaisra Malik

Hi, my name is Qaisra Malik and I was born in 1945 in Lahore, Punjab, although it was India at the time. I came to Rochdale with my family including 6 siblings, the journey here was nice as we took a plane to London and got to see beautiful lights during the night drive from London to Rochdale. I got married in Pakistan to a wonderful man; he was a business man, after 8 years however he passed away. I have 1 daughter. Laila Majnu was an old folk story I remember.

Shabina Ahmad

Hi, my name is Shabina Ahmad. I was born in Kenya, Mombasa in 1960. I had an arranged marriage to a British citizen in 1975 and then travelled to Sudan in 1989 only I couldn't settle so I moved back to Kenya. Then in 1996 I moved to England to settle in Rochdale. I chose Rochdale as my husband lived here with other family members and I worked in Moss mill as a Packer although it was very hard to settle due to a lot of snow and I had to do most of the process myself. We have 6 children, 3 girls and 3 boys.

Deeplish Group

Idrees

Hello, my name is Idrees. I was born in the Gari Shaw area of Lahore, 1955. In 1983 I had an arranged marriage with my cousin which turned into a love marriage. As my wife's family had been settled in Rochdale since 1967 we also came to Rochdale, we bought a house and I started to work. 2 of our 3 children are currently married with children of their own. Also, I distinctly remember Sassi Punno as my favourite old love story.

Aftab Malik

Hi, my name is Aftab Malik. I was born in the January of 1953, Lahore, Pakistan. I came to the UK in the 1960's with my father and my eldest brother and whilst they worked, since I was the youngest, I started to study. Plus, the journey here was rather nice, especially since I was so excited travelling to a new place as I was young. Since I missed my mother & other siblings dearly it was wonderful seeing them again as they joined us in 1969. In 1986 I had an arranged marriage in Lahore and my wife then joined me in Rochdale a few months later and as of now we have 4 children and 1 grandson. As I remember, Heer Ranjha was a popular story.

Shah Jahan and Mumtaz Mahal:

It is a true love story. Taj Mahal, a monument built by Shah Jahan in the memory of the love of his life, Mumtaz Mahal. Taj Mahal is one of the 7 wonders of the world and is a symbol of eternal love. Arjumand Banu Begum, she was named Mumtaz Mahal by Shah Jahan after marriage as it means the 'jewel of the palace'.

Shah Jahan and Mumtaz Mahal:

Salim and Anarkali:

This is a very interesting love story because a lot of people still think that Anarkali wasn't a real person. Salim was the son of Akbar and Anarkali was supposedly a slave girl who dared to love the prince. When Akbar found out about their love he had Anarkali buried alive between two walls. The lack of evidence about the existence of Anarkali makes this story unacceptable to historians but nonetheless it is one of the most iconic love stories of India.

Salim and Anarkali:

Baji Rao and Mastani:

Peshwa Baji Rao was a military general to the fourth Maratha Chhatrapati Shahuji. His love story with Mastani has become a legendary tale. The origins of Mastani are not confirmed. Some say that she was the daughter of a Hindu Maharaja and his Persian wife while others say that she was the daughter of Nizam of Hyderabad. Some even think that she could have been a dancer in the court of the Nizam. Whoever she was, Baji Rao fell in love with her and married her despite great opposition from his family. When Baji Rao died in battle it is said that a grief stricken Mastani committed suicide.

Baji Rao and Mastani:

from Malwani and Maru's admirer Umar Sumar, to get back to Maru. In the end they were able to get back together and lived happily ever after.

Shivaji and Saibai:

This one is not a typical love story but definitely among the top Indian love stories. Chhatrapati Shivaji Maharaj, the founder of the Maratha Empire was married young to Saibai, from the Nimbalkar dynasty. They were married young and Shivaji remained busy in his conquests but they grew close together and Saibai is said to be his favourite wife. They had four children together. It is said that the last word Shivaji said at his deathbed was 'Sai'.

Fiction or Fact

We have collected many great love stories. Now we can understand that why even today Lollywood and Bollywood continue to make so many love stories. The Taj Mahal is the symbol of eternal love and embodies the spirit of romantic love that has been part of the Indian history since time immemorial. Some of the stories are fictional but there is no evidence that they are fictional. However, there are amazing real life stories as well that are just as good as any fictional tale of romance. After hearing from participants we did some research and found some amazing real life love stories.

Dhola and Maru:

The story of Dhola and Maru comes from Rajasthan, India. The story is of a prince Dhola and a princess Maru who are married in childhood. But when the father of Dhola dies in battle there is no one to remind him of his marriage. When he grows up he forgot about Maru and marries Malwani. A group of folk singers from Maru's hometown of Poogal visited Narwar and reminded Dhola of his first marriage. He remembered everything and faced many obstacles,

ROCHDALE

People of a Pakistani background make up the largest minority ethnic group, with 17,200 people (8.3%).

Rochdale, Town Hall 1892

astonished to witness, even when it may have been their own aspiration and dream.

In the 2011 census the population of Rochdale was 211,699 and is made up of approximately 51% females and 49% males.

The average age of people in Rochdale is 38, while the median age is also 38.

87.1% of people living in Rochdale were born in England. Other top answers for country of birth were 4.3% Pakistan, 0.9% Scotland, 0.9% Ireland, 0.8% Bangladesh, 0.5% India, 0.4% Wales, 0.4% Northern Ireland, 0.2% Nigeria, 0.2% Zimbabwe.

91.7% of people living in Rochdale speak English. The other top languages spoken are 2.3% Urdu, 1.2% Panjabi, 1.0% Bengali, 0.9% Polish, 0.7% Pakistani Pahari, 0.3% South Asian Language, 0.2% Portuguese, 0.1% Kurdish, 0.1% All other Chinese.

The religious make up of Rochdale is 60.6% Christian, 18.6% No religion, 13.9% Muslim, 0.3% Hindu, 0.2% Buddhist, 0.1% Jewish.

12,311 people did not state a religion. 532 people identified as a Jedi Knight and 51 people said they believe in Heavy Metal.

(Rochdale Census Demographics 2011)

Project

The heritage focus for this project was to look at the concept of 'Love stories which were told in 1900 till now in all Indian sub-continents'. There are over twenty folk lore in love story forms. We concentrated on 14 famous stories. It was done through oral history interviews with people from India, Pakistan, Bangladesh and East Africa, who are all now resident in Rochdale.

The project was carried out by session worker and five dedicated volunteers:

Attya malik

Nighat Amini

Naseem Waheed

Abdul Samad

Razia Shamim MBE

Rochdale: A settled community of South Asian families has developed in Rochdale. It has opened Mosques for worship, and shops and businesses to cater for food and other necessities. New generations of young people from Asian families have taken the opportunity to study in college and universities.

Many of these families have achieved prosperity that the first generation of immigrants would have been

Multicultural resource Centre

Multicultural Resource Centre exists to develop community cohesion and racial harmony. It also works to provide information, support and resources to BME Communities requiring assistance in a culturally sensitive manner; to develop monitoring mechanism which will assist in identifying the effectiveness of those services. We also deliver projects with issue based activities, mental health, arts and health and children/adult abuse. We also provide training and educational opportunities wherever possible. We have management committee and pool of freelance session workers who deliver our projects with the help of paid staff and volunteers. Activities will enable local people to accept this diversity, to overcome their fear of difference and of change. During the sessions session worker will be promoting dialogue and increase understanding between faith communities. The participants will work together and develop some presentation.

10 Milkstone Place
Rochdale
OL11 3TA
Email: mcrcrochdale@yahoo.co.uk

LOVE STORY

Love is dangerous. In Pakistan and India love is a common theme within folklore. Most of the stories we have collected from participants, the lovers in the end perish while fighting to reach each other. Yet these characters have lasted through the years and can be seen in popular Pakistani and Indian culture. Why? Why do so many movies, songs, stories, and television shows repeat their legendary tales? Is it the clear warning that these stories give about love? Yes, but that is not all. These stories produce rich characters that reflect the society they live in. Understanding past society can help future generations learn and accept their traditions better. These stories are for every one of all ages. They are told for their richness in culture as well as their message of love and tradition.

1940s

LOVE STOTIES

heritage lottery fund

LOTTERY FUNDED

MULTICULTURAL RESOURCE CENTRE

1940s LOVE STORIES

heritage lottery fund

MULTICULTURAL RESOURCE CENTRE LOTTERY FUNDED